

کاملاً

تاجدارِ دو عالم

بنی کریم کی سیرت و کردار کی انقلابی تصویر جس کے بعض اہم پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے آپ کو ہر پہلو سے دنیا کا عظیم ترین بطل اور بے مثال بہادر ثابت کیا گیا ہے۔

(مصنف)



صاحب المعالیٰ عبدالرحمن بک عزام
وزیر شئون اجتماعیہ مصر و جنرل سکرٹری یوب لیگ قاہرہ

مترجمہ

ظہوی وجدانی

تفسیرِ صدیقی

قیمت ۱۰ روپے
سکہ دار

عابد روڈ - حیدرآباد دکن

قیمت ۱۰ روپے
سکہ عالی

جملہ حقوق دہلی بحق پروفیسر محمد اقبال سلیم گاہندی
مالک نئیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن محفوظ ہیں

طبع اول ایک ہزار

135/69

جنوری ۱۹۴۶ء

طبع دوم ایک ہزار

مارچ ۱۹۴۸ء

(مطبوعہ)

جمہور پرنٹنگ پریس

حیدرآباد دکن

فہرست

۵	چودھری محمد اقبال سلیم گانڈی	حرف اول
۹	ظہوری وجدانی	ویب پیج مترجم
	الاتاذا الامام شیخ مصطفیٰ الراعی شیخ جبار مزہر	تبصرہ شیخ ازہر
	عبدالرحمن عزام بک	مقدمہ مولف
۲۲	۱- پیکر استقلال
۳۸	۲- شہسوار شجاعت
۵۵	۳- آئینہ وفاء
۶۷	۴- زہد و قناعت کا منارہ

- ۵۔ بروباری کا زندہ مجسمہ ۸۳۰
- ۶۔ بندگی کا انقلابی تصور ۹۶
- ۷۔ عفو و درگزر کی روشن مثال ۱۱۳
- ۸۔ رحمت و رافت کی روح رواں ۱۲۶
- ۹۔ فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ ۱۲۲
- ۱۰۔ حسن سیاست اور تدبیر امور ۱۵۶
- ۱۱۔ غزوہ بدر کی عسکری قوت ۱۸۷
- ۱۲۔ جہادِ حریت ۱۹۵
- ۱۳۔ سیاسی واقعات ۲۰۸
- ۱۴۔ اسلامی تبلیغ کے اثرات ۲۱۹
- ۱۵۔ عمر بن خطاب ۲۳۰



حرفِ اول

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندی

نفسِ اکیڈمی کو قائم ہوئے ابھی ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ نہیں ہوا اس
تیل مدت میں اس ادارہ نے اردو ادب کی نشر و اشاعت کی جو گراں قدر خدمات انجام
دی ہیں وہ تاریخِ اردو کا ورخشاں باب کہلائے جانے کی مستحق ہیں ایک طرف کمیونٹ
ترقی پسند ادب کے تیز رو سیلاب نے اور دوسری طرف قدیم و وقیا نوسی ادب
کے نادان ناخداؤں کے جمود و خمود نے سفینہٴ اردو کو منجھار میں ڈھکیل دیا
تھا جو پیہم حوادث کے تھپیڑے کھاتے کھاتے چور چور ہو گیا تھا۔ اس کش مکش
اور جانگنی کے عالم میں نفسِ اکیڈمی نے اردو ادب کی اس ناؤ کو منجھار سے
نکال کر ساحلِ مراد تک پہنچانے کی عملی جدوجہد کی اس اثنا میں اس نے اقبالیات پر
تصویرات اقبال — فکر اقبال — حکمت اقبال — فلسفہٴ عجم — اسلامیات میں
معاشیات اسلام — مقام جمال الدین افغانی — مقالات جمال الدین
افغانی — حیات جمال الدین افغانی — اسلام کے سیاسی تصورات —
”ذکر جمیل“ — مقالات میرٹ — داستانِ کربلا وغیرہ وغیرہ سیاسیات
میں ”معاشیات اور پاکستان“ — قائدین کے خطوط — ”تصویراتِ پاکستان“
”تہذیب کی لاشیں“ — پاکیزہ افغانوں اور اخلاقی ناولوں میں

چالیس کروڑ بھکاری — "تکو نہ دیں" — بھوکا ہے ابکال — اچکل کے رو مان
 — "نوشت" — "خطا" — وغیرہ وغیرہ شائع کی ہیں۔

اب آنحضرت کی سیرت کے ایک انقلابی پہلو "تاجدار دو عالم" کے نام سے نفیس اکیڈمی کے شان دار دور کا آغاز کیا جا رہا ہے جس کو پیش کرنے کا فخر و شرف ہمیں حاصل ہے دنیا سے سیرت میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں آنحضرت کی سیرت و کردار کو اور آپ کی زندگی کو بحیثیت ایک بہادر بحیثیت ایک بطل اور بحیثیت ایک سہرا یا مجاہد کے پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت کا مقصد و مدعا آنحضرت کے اس انقلابی کردار کے پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے تاکہ پھر سے دنیا میں اخوت و مساوات کا چرچا انسانیت کا بول بالا اور حکومت الہیہ کا دور دورہ ہو جائے۔

اس کتاب کے مولف مالک اسلامیہ کے مرکز یعنی مصر کے ایک ممتاز اور مبصر عالم امور اجتماعیہ کے وزیر عرب لیگ قاہرہ کے جنرل سکرٹری اور تمام عالم اسلامی کے ہر دل عزیز فرزند صاحب المعالی ڈاکٹر عبدالرحمن بک عزام ہیں۔ آپ نے نشر گاہ قاہرہ سے آنحضرت کی سیرت پر پندرہ بیٹے اور انقلابی شہ پارے نشر کئے دنیا میں یہ پہلی مثال ہے کہ اس قدر بیٹے اور طویل مضامین سلسلہ وار کسی نشر گاہ سے نشر کئے گئے ہوں۔ سیرت کی اکثر و بیشتر کتابیں اور ضخیم سے ضخیم جلدیں بھی موجود ہیں لیکن اس نوعیت کی ایک کتاب بھی اب تک لکھی نہیں گئی جس کو عبدالرحمن عزام نے پیش کیا ہے۔ اجاب کے تقاضوں پر آپ نے ان تمام مضامین کو یکجا کر کے "بطل الابطال" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے

پیش نظر کتاب تاجدار دو عالم "اس کتاب کا ترجمہ ہے اس کتاب کے مترجم مولوی
 ظہوری و جدانی ملائکہ کے ہونہار ادیب اردو فارسی عربی کے عالم و ماہر ہیں موصوف
 نے ہماری خواہش پر اس کتاب کا ترجمہ کیا۔ موصوف قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے
 سیرت کی اس بلند پایہ کتاب کا انتخاب کیا اور ترجمہ کی۔ ان ساری خوبیوں کو
 جو کتاب کی روح رواں ہیں برقرار رکھتے ہوئے نہایت سلیس، بلیغ اور دل نشین
 انداز میں ترجمہ کیا ہے۔ ہم اس ہونہار فرزند اور ملک کے دیگر علم دوست اہل قلم
 سے امید کرتے ہیں کہ اس قسم کی بیش بہا کتابوں کے ذریعہ دنیا کو فیض پہنچائیں گے
 ہم اس کتاب کو بارگاہ ایزدی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہوئے دعاء
 کرتے ہیں کہ اس کتاب کے ذریعہ عالم انسانیت اپنے اصل مرتبہ و مقام تک پہنچ
 جائے۔ آمین۔

بارگاہ رسالت میں

دنیا چہ مترجم

دنیا میں بہت سے پیغمبر، مصلح، پیشوا اور بہادر پیدا ہوئے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی میدان کا شہسوار رہا، کوئی سیاست کا پیش رو تسلیم کیا گیا، تو کوئی شجاعت کا امام کسی نے اقتصادی و معاشی کامیابی حاصل کی، تو کسی نے اجتماعی انقلاب برپا کر دیا، مگر ان میں سے کسی کو بھی عالمگیر جہتی کامرانی حاصل نہ ہوئی اور وہ ہر میدان کے ہیرو قرار دیئے جانے کے قابل بھی نہ بن سکے۔

بنی اکرم کی ذات پر حقیقت سے شجاعت کا سرچشمہ اور تمام دنیا کے قائدین و زعماء کی فکری و عملی ترقیوں کا تعمیری پیش خیمہ ہے، اب تک آپ کی جہتی شان عظمت کی نمایاں کرنے کے لئے کسی نے بھی آپ کی زندگی پر روشنی نہیں ڈالی۔

بیلی را بچشم مجنوں باید دید کے مصداق آپ کی بطولت کا مشاہدہ وہی بطل اپنی آنکھوں سے کر سکتا ہے جو میدان جنگ میں کھڑے ہوئے اور دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تلواروں کے رجزیہ نغمے سن چکا ہو، سیاسی میدان میں ایک

جری اور بہادر کی طرح اپنی قوت ارادی اور حسن تدبیر سے تلامہ پچیدہ گتھیاں سلجھانے کی اپنے اندر استعداد رکھتا ہو چنانچہ موجودہ دور کے مصری نوجوان زعماء میں عبدالرحمن عزام بک نامی ایک ہیرو ایسا بھی ہے جس میں نبی اکرمؐ کی شجاعت کے مظاہر کی جہلک پائی جاتی ہے۔

عبدالرحمن عزام ابھی قانون کے آخری سال میں تعلیم پارہے تھے کہ طرابلس کی جنگ کی خوف ناک آوازیں مالک اسلامیہ کی فضا میں گونجنے لگتی ہیں، مصر کو طرابلس کا ہمسایہ ہونے کی حیثیت سے اپنا حق ہمسایگی ادا کرنا ضروری تھا اسلئے آپ نے اپنے بڑے بھائی محمد بک عزام سے اس جنگ میں حصہ لینے کی اجازت اور مالی مدد مانگی محمد بک عزام نے تعلیم کے اختتام تک توقف کرنے کا حکم دیا۔ آپ بغیر کسی کی اطلاع کے طرابلس روانہ ہو گئے اور مصطفیٰ کمال پاشا کے ساتھ ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے جنگ میں شریک ہو گئے دوران جنگ ہی میں آپ ترقی کرتے کرتے جنرل کے مرتبہ عظیم تک پہنچ گئے، طرابلس کی شکست کے بعد آپ اپنے دیگر رفقاء عزیز مصری پاشا صالح حرب پاشا اور مصطفیٰ کمال پاشا کے ہمراہ جرمن ڈکنی کشتی (غواصہ) کے ذریعہ ترکی پہنچ گئے، آپ مدت تک ترکی میں مقیم یا نظر بند رہے، فواد اول شاہ مصر کے زمانہ میں قاہرہ تشریف لائے اور آپ کے بعد ویکرے افغانستان، ایران، ترکی، عراق اور حجاز کے سفیر رہے، آپ پہلے مصری ہیں جو مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں کے ماہر ہیں، اطالوی فرانسیسی جرمن اور انگریزی وغیرہ مغربی زبانوں میں آپ اہل زبان کی طرح لکھتے اور بولتے ہیں، مشرقی زبانوں میں ترکی، فارسی اور افغانی میں کافی مہارت

رکھتے ہیں مشرقی ممالک سے آپ کے گہرے تعلقات دروالبط والبتہ ہیں اور وہاں کے باشندوں میں بھی آپ ہرول عزیز ہیں آپ نے مصر کی کئی وزارتیں کامیابی سے سنبھالی ہیں اور فی الحال شون اجتماعیہ اشوشن لائف کی اصلاح کی وزارت جو مصر کے سوا دنیا کے کسی ملک میں نہیں) کے وزیر ہیں آپ ہی کی کوشش سے جلالتہ الملک فاروق اول شاہ مصر نے شاہ حجاز ابن سعود سے حجاز جا کر ملاقات کی اور پھر مصر آنے پر انھیں رضامند کیا آپ ہی کی ان ٹھک کوششوں سے عرب لیگ معرض وجود میں آئی بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ آپ کا مستقبل مصری سیاست میں بہت درخشندہ اور جہتم بالشان ہے ایک دن بلاشبہ آپ وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز ہو کر رہیں گے فی الحال آپ تمام وزراء سے کم عمر ہیں۔ اس کے باوجود دور اندیشی میں ممتاز شمار کئے جاتے ہیں۔

عرب لیگ کی تقویت و اشاعت کی خاطر آپ انگلینڈ کا دورہ کر چکے ہیں وہاں کے زعماء و ارباب اقتدار آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہو چکے ہیں اور عن قریب امریکہ و روس کا دورہ کرنے والے ہیں۔

قائد اعلیٰ جیش مرابط

آپ نے متعدد سفارتوں کے فرائض سے سبک دوش ہوتے ہی عام مصریوں کو فوجی تعلیم دینے کی خاطر الجیش المرابط کے نام سے ایک نئی حربی اسکیم تیار کی تاکہ طلباء اور عام فلاحوں کی جو حربی کالج سے رستاق نہیں ہیں اعلیٰ جنگی تربیت دے سکیں آپ کی ذوربین نظروں نے خداوندان فرنگ کی غاصبانہ چالوں کا اندازہ کر لیا۔ خوش نصیبی سے آپ کو آپ کے دو قدیم ماہر حرب دوستوں کی تائید حاصل ہو گئی جنہوں نے

اعلان جنگ کے بعد وزارت جنگ کی قیادت کرتے ہوئے مصر کو جنگ کے جہنم میں جھونکنے سے بچالیا یہ صاحب المعالی صالح حرب پاشا اور صاحب السواء عزیز پاشا مصری کی ممتاز شخصیتیں ہیں ان تین ماہرین جنگ کی کوششوں سے جیش مرابطہ کی اسکیم کامیاب ہو گئی حکومت نے صاحب المعالی عزام بک کو القائد العام للجیش المرابطہ کے رتبہ سے سرفراز کرتے ہوئے تمام اضلاع پر دورہ کرنے کی اجازت دیدی اپنے مذکورہ بالا دوساتھیوں کی مدد سے دو سال کے قلیل عرصہ میں مصری فوج کی تعداد بارہ لاکھ تک پہنچادی جو اب تک میں لاکھ سے متجاوز ہو چکی ہے اور اب وہ وقت آچکا ہے کہ ترکی وزیر خارجہ کی طرح آپ بھی بیانگ دہل اعلان کر سکتے ہیں کہ مصر کا ہر فرد سپاہی اور ماہر جنگ ہے۔

مصر کے ایسے الوال العزم بہادر اور جنرل نے بنی اکرم کو اس نظر سے دیکھا کہ آپ استقلال کا پیکر شجاعت کے شہسوار "وفاکاً ائینہ" "زہد و قناعت کا منارہ" "بردباری کا زندہ مجسمہ" "بندگی کا انقلابی پیشوا" "عفو و درگزر کی روشن مثال" "رحمت و رافت کی روح رواں" "فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ" اور سیاست کے امام ہیں ان میں سے ہر ایک میں آپ کی شجاعت کی شان آشکار ہے تو اسی جذبہ نے ان کو آمادہ کیا کہ آپ کی زندگی کی یہ انقلابی تصویر جیسی کچھ انھوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کی ہے بعینہ تمام دنیا کے روبرو پیش کر دیں چنانچہ آج سے چھ سال پیش آپ نے نشر گاہ لاسکی قاہرہ سے بنی اکرم کی زندگی کے پندرہ شاہکار اور انقلابی تصویریں تقریری انداز میں نشر کیں آخر میں یہ تمام جواہر ریزے یکجا کر دیئے گئے اور ان کا نام "بطل الابطال"

تاجدارِ دو عالم، رکھا جس کا یہ اردو ترجمہ ہے جنگ سے پیشتر ہی اس کتاب کا ترجمہ مکمل ہو چکا تھا اور مترجم کو مصنف نے اس ترجمہ کو شائع کرنے کی اجازت بھی دے دی تھی لیکن جنگ چھڑ جانے اور کاغذ و طباعت کی دشواریوں نے اس کتاب کو منظر عام پر آنے کا موقع نہ دیا۔

اجازت نامہ

میں نے سنہ ۱۹۶۷ء میں مولف کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں ترجمہ کی اجازت طلب کی تھی یہ خط جب ان کے پاس پہنچا تو اتفاق سے اس وقت حسن الاعظمی (انہری) پروفیسر جامہ مصریہ بھی ان کے پاس موجود تھے، ان سے مولف نے اس بارے میں رائے لی اور یہ خط انھیں کے مشورہ سے حسن الاعظمی نے مصر کے ہفتہ وار اخبار "فتی اینل" میں شائع کیا یہ خط میں نے سیرت کمیٹی شیرآباد کی طرف سے لکھا تھا جس کا اجازت نامہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

السلام علیکم ورحمة اللہ	السلام علیکم ورحمة اللہ
جاء کتابکم الکریم فحمدت	تمہارا مکتوب گرامی ملا، میں نے خدا کی
اللہ علی انه هیتا لکتابی فی السیرت	تعریف کی کہ اس نے میری کتاب سیرت
النبویة قبولا عند اخوانی مسلمی	بنوی کو اپنے بھائی مسلمانان ہند اور خصوصاً
الهند و بخاصة اعضاء جمعیة	سیرت کمیٹی کے ارکان کے پاس درجہ قبولیت
السیوة ثم شکرت لکم اہتمامکم	عطا فرمایا پھر میں نے تمہارا شکر کیا کہ تم نے
بترجمة الكتاب الی اللغة	کتاب کا اردو ترجمہ اور اس کی نشر و اشاعت
الاردیة وطبعہ۔	کا اہتمام کیا۔

وإني آذن لكم بطبعه و
 نشره مسروراً بشاكر ارجيا لكم
 النجاح. وأسأل الله سبحانه ان
 يجعل اقوالنا وفعالنا خالصة
 لوجهه الكريم وان يوفقنا
 جميعاً لما فيه خير الاسلام
 والمسلمين والسلام.

میں تمہیں شکریہ و مسرت اور تمہاری
 کامیابی کی توقع کرتے ہوئے اس کتاب
 کی نشر و اشاعت کی اجازت دیتا ہوں
 اور بارگاہِ ایزدی میں دست بردار ہوں کہ
 وہ ہمارے اقوال و افعال میں خلوص عطاء
 فرمائے اور ہم تمام کو اسلام اور مسلمانوں
 کی خیر خواہی کی توفیق عنایت فرمائے والسلام

عبدالرحمن عزام
 (جنرل سکرٹری عرب لیگ) وزیر نشوون اجتماعیہ قاہرہ

مارم ۱۳۵۹ھ

تبصرہ

(۱)

یہ دو تقریریں ہیں جن کو عبدالرحمن بک عزام نے ریڈیو سے نشر کیا
سننے والوں نے انہیں نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنا بہت سے شوقین حضرات نے
اپنی تمنا ظاہر کی کہ یہ سب تقریریں یکجا کر دی جائیں تاکہ جو لوگ ان کو سننے سے
محروم رہ گئے ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں جن لوگوں نے سنا ہے وہ بھی ان کو غور
و فکر کے ساتھ مجموعہ کی شکل میں پڑھتے رہیں اور قارئین کے لئے کارآمد اور
سود مند ثابت ہوں۔

(۲)

استاد عبدالرحمن بک عزام قابل تحسین و مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ایک

جلسل القدر اور بلند پایہ موضوع یعنی خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے عظیم الشان انقلابی پہلو کو اختیار کیا اس میں حقائق و بصائر اور میر و اخلاق جیسے بلند مضامین کو اس قدر دلکش اور لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے جن کے سمجھنے کے لئے زیادہ وقت اور دشواری پیش نہیں آتی۔

سیرت پاک میں تمام اخلاقی پہلوؤں کو جمع کر کے چار چاند لگا دیئے کیونکہ آج دنیا کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فائدہ کے ذریعہ انسانیت کی شاہ راہ پر گامزن ہو اور آفتاب نبوت کی ضیا پاش کر نوں سے جہالت و تاریکی کے کثیف بادلوں کو کافور کر دے چنانچہ اسی جذبہ احساس کی خاطر قابل قدر مولف نے سیرت پاک میں نبی اکرم کے بلند ترین اخلاق اور کردار کا نقشہ پیش کیا ہے اور موقع و محل کے مناسب واقعات و حقائق کے ذریعہ آنحضرت کے اوصاف جمیلہ پر روشنی ڈالی ہے انسان کامل اور بطل اعظم کو محض دعوؤں کی شکل میں ہی پیش نہیں کیا بلکہ روشن واقعات اور مسلمہ روایات کو دلیل و برہان قرار دے کر اپنے دعویٰ کو پاک ثبوت و تحقیق تک پہنچا دیا ہے۔

(۳)

مولف نے اپنی کتاب میں جن مضامین پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے بعض اہم موضوع یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبات و استقلال شجاعت ایفاء عہد زہد و قناعت تواضع و بردباری انقیاد و عبادت عفو و درگزر رحمت و رافت فصاحت و بلاغت حسن سیاست امور کی انجام دہی میں دوراندیشی دعوت

محمدیہ کا انفراد و جماعت پر اثر وغیرہ، غرض کہ مصنف نے دنیا کے روبرو وہ بلندیت،
 وہ پسندیدہ اخلاق اور وہ گراں قدر عظمت پیش کی، جو انسانی تصور سے بالاتر،
 تاریخ عالم میں سب سے زیادہ محفوظ اور زمان و مکان کی حدود سے بیرون ہے۔
 عظمتِ نفس، جو خلوصِ دل اور تمام پوشیدہ اسرار و قوی کی اصل و بنیاد
 ہے، ایسی چیز ہے جس کو انسان کسی سلطنت یا جاہ و منصب کے بدلہ نہیں حاصل
 کر سکتا، بلکہ یہ ایک فطری وجدانی اور ذوقی چیز ہے، جو اپنے ہی سرچشمہ سے پھونک
 اور اپنی ہی فطرت کی گہرائیوں سے ابھر کر نکلتی ہے، اسے دنیا کی کوئی مسرت
 بڑھا سکتی ہے اور نہ کوئی مصیبت گھٹا سکتی ہے، اسے نہ کسی کا مال و زر
 نمایاں کر سکتا ہے اور نہ کوئی فقر چھپا سکتا ہے، اس کے دقار کو نہ کوئی تاج و
 تخت دو بالا کر سکتا ہے اور نہ اس کا زوال اسے کم کر سکتا ہے، نہ کوئی شمع
 و نصرت اس کو تقویت پہنچا سکتی ہے اور نہ کوئی شکست اسے کمزور
 بنا سکتی ہے۔

یہی وہ عظمت ہے، جس کی بنا پر کائناتِ زمین و آسمان میں توہین
 و نوا میں الہی کا اجراء، ان نفوس قدیہ اور الوالعزم ہستیوں کے ذریعہ ہوتا ہے،
 جن کے نفوس میں یہ عظمت راسخ ہو جاتی ہے، جو اعمال ان سے سرزد
 ہوتے ہیں، وہ سخن خداوندی و منشاء الہی کا مظہر و منبع ہوا کرتے ہیں، دِلن
 تجدل سنة الله تبدیلا ولن تجد لسنة الله تحویلا
 (اللہ کے قانون میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔)

یہی وہ عظیم الشان سرت ہے، جس کے بعض اہم پہلوؤں پر عبد الرحمن
 یک عزام نے وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور اس کے جلالی و جمالی
 مظاہر کو دلائل و براہین کی روشنی میں نہایت واضح اور نمایاں کر دیا ہے، حقیقت

یہ سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانی نفوس کی جلا اور ان کے تزکیہ کے لئے کاہل نمونہ ہے۔

(۳)

موتف کی جس قدر تحسین و آفریں کی جاوے کم ہے مجھے امید ہے کہ خالی موتف کی عرق ریزی و جہد بلیغ کے مطابق جو اس نے اس اہم مقصد کو پورا کرنے میں برداشت کی، اور اس کی اس حسن نیت اور جذبہ خلوص کے موافق جو اس کے دل کی گہرائیوں میں موج زن اور اس کی لکھی ہوئی ہر سطر میں جلوہ گر نظر آ رہا ہے یہ کتاب بھی مفید و کارآمد اور نفع بخش ثابت ہوگی اور خدا کے قدموں میں اس کا بہتر اجر عطا فرمائے گا، کیوں کہ وہ احسان کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

مقدمہ مؤلف

میرا ارادہ تھا کہ شاہیر عرب کی سیرت کے واقعات بیان کروں، ہماری قوم نے تو بے شمار بہادر پیدا کئے ہیں، میں نے ان کی سیرتوں کا بنظر غائر جائزہ لیا درجہ بدرجہ بہادری کے تمام مراحل طے کئے، آخر کار اس بلند چوٹی پر پہنچ گیا، جہاں تک ان شاہیر نے رسائی حاصل کر کے شہرت دوام حاصل کی تھی، میں اُس بے نظیر ہستی تک پہنچ گیا، جس کے سرشہرہ عظمت و قیادت سے ان بہادروں نے سیرابی حاصل کی تھی۔

میں نے ان کی بہادری و شہرت اور ان کے کارناموں کے اسباب کا گہرا مطالعہ کیا، تو میں اس اُفقِ بسین تک پہنچ گیا، جہاں سے آنکھوں نے تجلی حاصل کی تھی، اس منزل مقصود کا سراغ لگا لیا، جہاں سے انھوں نے کوچ کیا تھا، وہ بلند چوٹی جہاں تک وہ پہنچ چکے تھے، اور وہ بے نظیر و مافوق ہستی جس سے وہ فیض یاب ہوئے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے آپ کی

ہدایت و تعلیم ان کی بہادری کا سرچشمہ اور آپ کی اخلاقی روح ان کی سیرت و کردار کا مدار و منظر ہے۔

اس لئے میرے دل نے پکار کر کہا کہ کیوں نہ میں بطل اعظم اور شاہیر عالم کے امام و پیشوا کی انقلابی سیرت کے نقوش کو قلم بند کروں میرے نفس نے کہا کہ میں از روئے احترام و اجلال بنی اکرم کو "بطل" سے موسوم کرنے پر جرات کروں اور آپ کی بلند پایہ سیرت کو شاہیر کے قصوں میں بلند ترین مقام پر نمایاں کر دوں۔

پھر میں نے سوچا کہ یہ تو واقعات ہیں جن کو مسلم و کافر، منکر و مومن، بسھی پڑھیں گے، اس لئے ہمیں نے مناسب سمجھا کہ جس طرح اور انسانوں کے واقعات و سوانح بیان ہوتے ہیں، میں بھی اسی طرح سید البشر کے حالات بیان کروں، تاکہ انھیں ہر فرد بلا امتیاز مذہب و ملت مطالعہ کر سکے، جو شخص اس سیرت سے مستفیض ہوگا، اس کو یہ بام ارتقا و پرگامزن کر دیگی، جہاں پر پہنچ کر ہر شخص ایک بطل بن سکتا اور شاہیر کی صف میں داخل ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے؟

میں نے اپنی علمی بساط اور وقت کی وسعت کے مطابق مجمل طور سے سیرت پاک کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، میری دلی تمنا و آرزو تھی، کہ عرب کے بہادروں کے بڑے بڑے شاہکار اور تاریخ انسانی کی بہترین سیرتوں کے لئے بنیاد قائم ہو جائے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر ان مضامین و واقعات کو پلٹے تکمیل تک پہنچانے میں بہت سی رکاوٹیں پیدا ہو گئیں اس لئے مجھے اس سید پر توقف کرنا پڑا کہ ان قصوں کو پورا کرنے اور اس اہم ضرورت کو انجام دینے کے لئے مجھے یا کسی اور کو دیگر مواقع دست یاب

ہو جائیں گے۔

مجھے خود اس امر کا اعتراف ہے کہ میں نے اس سیرت کو بیان کرنے میں اتنی جدوجہد نہیں کی، جتنی اس کے لئے درکار تھی، میں نے عمدتاً اس کو اس لئے ترک کر دیا کہ پہلے اس کے لئے تمہید اور بنیاد قائم کر لوں، مجھے امید ہے کہ آنے والی نسلیں اس پنج واسلوب پر سیرت پاک کے واقعات اور دیگر مشاہیر کے حالات کو بیان کریں گی؛

اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی سے جادہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

عبدالرحمن عزام

۲۲ / رمضان ۱۳۵۶ھ / ۱۵ نومبر ۱۹۳۸ء

پیکر استقلال

جن اشخاص کو افسانوں اور قصوں سے دلچسپی اور شغف ہے، میں ان کے سامنے شاہ میر اور بہادروں کے واقعات اور ان کے کردار بیان کرتا ہوں، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں، جو انسانی تاریخ کے معمار و علم بردار ہیں، اور یہی وہ بزرگ ہستیاں ہیں، جو تاریکیوں کے سمندر میں روشن اور درخشاں علامات ہیں۔

135169

ان شاہ میر میں سے وہ بہادر بھی ہیں، جنہوں نے اپنے وسیع تجربہ و اثر اور غیر معمولی قوت و عظمت کی وجہ سے حیرت انگیز شہرت حاصل کی، جن کا مقابلہ زمانے کے حوادث بھی نہ کر سکے۔

یہی وہ سربراہ اور وہ ہستیاں ہیں جو تاریخ عالم میں بہادر و مبارز کہلائی جانے کی مستحق ہیں اور یہی وہ جلیل القدر و الوالعزم شخصیتیں ہیں، جن کا نام و اثر صفحہ ہستی پر ابد آلا باد تک زردہ و تابندہ رہے گا۔

تمام آرباب فکر و بصیرت کا اتفاق ہے کہ ان تمام مشاہیر عالم میں سب کے پیشوا اور امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
کارلائل کہتا ہے:

”آنحضرت اکرم نے دنیا میں آکر اپنی شمع ہدایت و نور نبوت سے تمام عالم کی تاریکیوں کو دور کر دیا۔“
سررور کہتا ہے:

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہور قدسی کے وقت اصلاح کا کام نہایت دشوار اور اہم تھا، لیکن آنحضرت کی وفات کے وقت جس قدر اصلاح مکمل ہو چکی تھی ہمیں نہیں معلوم کہ اتنی بڑی کامیابی اور فوز و فلاح آپ کے سوا کسی اور کو بھی نصیب ہوئی ہو۔“

لونا رڈ بیان کرتا ہے:-

”اس روئے زمین پر اگر کسی ہستی نے خدا کو پہچانا ہے اور اپنی عزیز ترین زندگی اس کی خدمت کے لئے فنا کر دی ہے، تو بلا شک و شبہ وہ مبارک ہستی محمد عربی کی ہے؟ (صلی اللہ علیہ وسلم)

دائرة المعارف برطانیہ یوں رقم طراز ہے:-

”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا میں وہ فلاح و کامیابی حاصل کی کہ آج تک کسی دور میں بھی کسی بنی اور کسی مصلح و رہبر کو نصیب نہ ہوئی۔“
بوزرٹ اسمتہ کہتا ہے:-

”اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی الاطلاق

مصلح اعظم ہیں“

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف مسلمانوں کی نگاہ میں بطل اعظم اور

جلیل القدر و ما فوق البشر ہستی ہیں، تو دوسری طرف دیگر بلبل و اودیان کے مفکر و
 اور قائدین کی نظر میں علی الاطلاق سب سے بڑے مصلح و پیشوا، مانے جاتے ہیں
 اس لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں، کہ آپ کی عظمت اور بہادری کو بیان کرنے سے
 پہلے آپ کی ہستی کو سمجھا دیں۔

میں آج سے سات سال پیشتر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک
 پر اس عظیم الشان بہادری اور ما فوق ہستی کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے حاضر ہوا
 جو مجھے کشاں کشاں کھینچ لے گئی تھی، میں نے قبر مبارک کے سامنے ایک خوشگوار
 اور نظر افروز منظر پایا، میرا دل فیضانِ تجلیات سے روشن ہو گیا۔

یہاں ایک روح جلوہ افروز ہے، جو عہدِ ماضی کی یادگار ہے جس سے
 سراسر انوار و فیوض کی بارش ہوتی ہے، یہاں ایک بے نظیر ہستی اور ایک ہی مثال
 بطلِ اعظم ہے، جس کی مثال دیگر شاہیر عالم میں نہیں پائی جاتی، جب میں واپسی
 کا تصور کرتا ہوں، تو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے، کہ تمام امیدوں اور مقصدوں
 کو خیر باد کہہ دوں، جب میں قبر مبارک سے قریب ہوتا ہوں، تو میرا دل عظمت
 و جلال کے آثار سے معمور اور محبت و آرزو کے جذبات سے لب ریز ہو جاتا
 ہے، بنی اکرمؑ میں وہ کونسی اثر آفرینی ہے، جو دیگر ہستیوں میں ناپید ہے؟ میں
 اس سوال کا جواب آئندہ صفحات میں دوں گا۔

آپ کی بہادری کا تصور میرے مشاعر و احساسات میں ایک ہیجانی
 کیفیت پیدا کر رہا تھا، بہادری کی یہی تصویر تمام لوگوں کے اذہان و قلوب
 میں بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، قیامت تک حیرت انگیز انقلاب برپا کرتی
 رہے گی، اگر بنی اکرمؑ میں فطری استعداد و صلاحیت نہ ہوتی، تو نبوت و
 رسالت کا گراں قدر خلعت کیوں عطا ہوتا، اگر الہی قوتوں کے اتصال و

قبولیت کے لئے یہ درخشاں و تابندہ روح اہل نہ ہوتی، تو قدسی کلمہ اس کے اندر کیوں چھونکا جاتا، اس حقیقت کبریٰ کی طرف قرآن مجید نے اشارہ فرمایا۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ

اللہ اس امر سے خوب واقف ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد

کی جائے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی و رسالت سے پیشتر بہت بڑی استعداد

و قابلیت کے مالک تھے؟

آپ کو بچپن ہی سے بتوں کی پرستش سے نفرت تھی، حالانکہ آپ کے آباء و اجداد کا دین بت پرستی تھا، اور یہی دین تمام جزیرہ عرب میں فخر و مباہات کا مرکز سمجھا جاتا تھا، آپ بچپن ہی سے بصادق و امین اور ایقانہ عہد میں راسخ تھے، اپنی قوم میں عزیز و محبوب تھے، آپ کی قوم آپ کو امین کے لقب سے یاد کرتی تھی؟

عہد شباب میں آپ کا فضل و شرف مسلم تھا، قریش کی ایک ذی ثروت اور شریف خاندان کی خاتون نے، باوجود آپ کے فقر سے واقفیت کے آپ کو نکاح کا پیغام دیا۔

سب سے پہلی مرتبہ صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر آپ نے اپنے قبیلہ کے تمام افراد کو جمع کیا، ان کے سامنے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:-

لوگو! اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک شکر اس پہاڑ کے

پہچھے سے تمہیں روندنے کے لئے آرہا ہے، تو کیا تم سب

میری تصدیق کریں گے؟ تمام نے یک زبان ہو کر کہا، ہم نے

آن تک آپ کو جھوٹ کہتے نہیں سنا، اس کے بعد آپ نے
فرمایا پس میں تم کو خدائے تعالیٰ کے سخت عذاب سے
ڈراتا ہوں۔

نبوت کے قبل آپ مظلوموں، ناداروں اور ناتوانوں کے بہت
ہی ہم درد اور غمخوار تھے، کسی بیکس پر ظلم و جور روار کھنے اور کسی مسکین کی
حق تلفی سے آپ کو بے حد نفرت تھی، آپ نے قریش کی ایک انجمن حلف الفضل
میں جس دلچسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، جاہلیت کے کسی اور کام میں اتنا
حصہ نہیں لیا، عرب میں اس بے نظیر معاہدہ کا سبب یہ پیش آیا کہ اہل یمن
میں سے زبید کے ایک شخص نے عاص بن وائل سہمی کو اپنا کچھ سامان فروخت
کیا، اس نے اس کی قیمت ادا نہیں کی، اُسے اسی پر بجا ظلم اور سختی کی، اس
نے اپنی مظلومی اور داد خواہی کا اظہار اپنے ایک قصیدہ میں کیا، جس کا
مطلع یہ ہے۔

یا آل فہر مظلوم بضاعتہ

بطن مکہ نانی الدار والنفس

اے فہر کی اولاد ایک مظلوم کی فریادری کے لئے آؤ جو اپنے

گھر اور خاندان والوں سے دور وادی مکہ میں پڑا ہے؛

جب بنو ہاشم نے اس کی یہ آہ و فریاد سنی، تو سب نے مل کر آپس میں

معاہدہ کیا اور اس کا نام حلف الفضول رکھا۔ اس میں یہ عہد و پیمانہ لیا گیا

کہ مکہ میں جو کوئی مظلوم ہو، خواہ وہ کسی کا رشتہ دار ہو یا اجنبی، اگر اس پر کسی

قسم کی مصیبت و آفت آپہنچی ہو، یا وہ کسی کے دستِ جفا کا شکار ہو گیا ہو

تو سب اس کی فریاد اور داد خواہی کے لئے پہنچ جائیں اور اس کی تکلیف کا

تدباب کریں۔

اسی معاہدہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رست
کے بعد فرماتے ہیں "میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں از روئے معاہدہ حاضر
ہوا، اس کے بدلہ میں مجھے اگر سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے، تو میں انھیں
کبھی پسند نہ کرتا اور اگر اسلام میں اس کی مجھے دعوت دی جاتی، تو میں ضرور
اس پر لبیک کہتا۔"

یہ اس امر کی روشن دلیل ہے، کہ آپ کے نزدیک کمزوروں کو مطلوب
اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کرنا سب سے زیادہ محبوب چیز
تھی۔

عبد طفولیت ہی سے آپ کے اخلاقی جوہر نمایاں تھے آپ میں
ہر و مروت حد درجہ پائی جاتی تھی، حق کی نگہداشت اور اس پر ثابت قدم رہنا
آپ کے اعلیٰ ترین صفات کا ایک جز تھا، ہم اسلام کے بطل اعظم کی زندگی کے اہم
واقعات اور عظیم المرتبت صفات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں،
جہاں ریاست، سرداری، برتری اور فوقیت ناغزانی اور متواتر چلی آتی
تھی، یعنی آپ کا سلسلہ قصی سے عبدمناف اور ان سے ہاشم تک برابر
چلا آتا تھا، یہی وہ قصی ہیں جن کا سکہ تمام عرب کی سر زمین پر میٹھا ہوا تھا تمام
اہل مکہ ان کی قوت و سطوت کا لوہا مانتے تھے، اور بہت سے لوگ ان کے
حلقہ اطاعت میں تھے، ان کی قوم قریش دین عرب کی پابندی، بتوں کی
حفاظت کعبہ کی دیکھ بھال اور پیاسوں کو پانی پلانے وغیرہ اس قسم کے اور
بہت سے منصبوں میں واحد اور ممتاز حیثیت رکھتی تھی جس کی شہرت کے

ڈنکے دور دور ملکوں تک بچتے تھے:

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ خاندانی امتیازات یہ میراثی تمنے اور یہ شان و سطوت کے مظاہرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت اور حق پر ثابیت قدم رہنے سے باز رکھنے میں کچھ سود مند اور موثر ثابت ہوئے؟ کیا ان کے ذریعہ آپ کے پائے استقلال کو ذرا بھی دھکا لگا؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ نے تو اپنے آبائی مذہب اور قدیم دین کی سخت مذمت کی، ان کی عفتلی کمزوریاں کھول کھول کر بیان کیں اور ان کے اس مذہبی نظام کو جو آپ کی قوم اور قبیلہ کے لئے باعث غرّت تھا، تہ و بالا کر دینے کی طرف دعوت دی:

عبد مناف، ہاشم اور عبد المطلب کے صاحبزادوں اور کسی خاندان کے فرد کو بھی وہ رعایت اور وہ درجہ و مقام نصیب نہیں ہوا، جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کنسی کے زمانے میں پایا تھا، آپ سارے صاحبزادوں اور پوتروں میں ممتاز حیثیت اور خاص شان و منزلت رکھتے تھے، آپ کو اپنے جد امجد قوم قریش کے سردار کے مسند پر جلوہ آفرین ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔

کعبہ میں عبد المطلب کے لئے ایک مسند کھچی رہتی، جس کے ارد گرد ان کے صاحبزادے بیٹھا کرتے تھے، مگر از روئے احترام و عظمت کسی کو جرات نہیں ہوتی تھی کہ مسند پر بیٹھ سکے، بنی اکرم، بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے، اس وقت آپ کم سن بچہ تھے، آپ کے دادا آپ کو اپنے قریب اپنے فرش پر بٹھلاتے، لیکن ان کے صاحبزادے آپ کا دامن پکڑ کر کھینچتے تاکہ آپ کو وہاں سے ہٹا دیں، عبد المطلب جب ان کی یہ حرکت دیکھتے، تو فرماتے:

”میرے صاحبزادے کو چھوڑ دو! بخدا اس کی ایک زالی شان و عظمت ہے، پھر آپ کو اپنے ساتھ بٹھاتے، اپنا ہاتھ آپ کی پشت مبارک پر شفقت سے پھیرتے، اور آپ کے ہر دل نشین ناز و انداز پر فریفتہ ہو جاتے؛

جب ابوطالب نے تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف سفر کرنا ارادہ کیا، اور قافلہ تیار ہو گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ چلنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، ابوطالب کے دل پر رقت آمیز جذبہ شفقت طاری ہو گیا اور کہنے لگے ”بخدا میں اس کو ضرور اپنے ساتھ لے چلوں گا اور وہ بھی مجھ سے ہرگز جدا نہ ہوگا؛ غرض کہ آپ اپنے چچا کے ساتھ اس دور دراز سفر کی مشقت برداشت کرنے کے لئے ہمہ تن مستعد ہو گئے؛

کیا آپ کے دادا اور چچا کے یہ احسانات و عنایات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی دین کی جانب مائل کرنے کے لئے کافی نہ تھیں، کیا یہ سب اعزاز و اکرام آپ کی استقامت و ثبات قدمی کو جادہ حق سے برگشتہ کرنے کے لئے مؤید نہ تھا؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ نفس باطل کی فضا میں کیونکر سکون حاصل کر سکتا تھا، آپ کا ضمیر ربانی تجلیات سے منور تھا، آپ کے قدم وحدانیت کے اس اٹل مرحلہ پر جم چکے تھے، جنہیں دنیا کی کوئی طاقت اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتی تھی؛

طلب حق، استقلال اور حریت رائے و اعتقاد کی اس سے واضح اور کونسی مثال ہو سکتی ہے، جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

قریش نے محسوس کیا، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے من گھڑت دینی اصولوں پر تنقید کرتے، ان کے باطل خداؤں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے ہیں اور ان کے آبائی دین کی تردید میں کوئی لحاظ نہیں کرتے ہیں۔

تو قریش کا ایک وفد ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ الٹی میٹم دیا، کہ یا
اپنے بھتیجے محمد کو ہمارے آبائی دین کی مذمت و تحارت کرنے اور ہمارے
بتوں کو برا بھلا کہنے اور ان کی توہین کرنے سے باز رہنے کا حکم دیں، یا ہمارے
ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں، ابوطالب کو اب ایک نئے حادثہ
سے دوچار ہونا پڑا، ان کے لئے اس معاملہ کی پیچیدہ گفتھی کو سمجھنا نہایت
دشوار ہو گیا، انھیں یہ خوف دامن گیر ہوا، کہ مبادا یہ لوگ خواہ مخواہ اپنی
قوم پر چڑھائی کر دیں، چنانچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
بلا کر کہا کہ "اے محمد مجھے تیری قوم سخت دھکیاں دے رہی ہے، اس لئے تو اپنے
اور میرے حال پر رحم کھا اور مجھے کسی ناقابل برداشت مصیبت کی زحمت
نہ دے" آپ نے جواب دیا۔

بچا جان! اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے دلہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں
ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اور کہیں کہ میں اس کام سے باز آ جاؤں خواہ
اس میں میری جان ہی کیوں نہ نکل جائے، میں ہرگز اپنے اس ارادہ سے
ٹلنے والا نہیں، یہ کہنے کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرا آئے اور آپ
اٹھ کر جانے لگے، تو ابوطالب نے آواز دی اور بلوا کر کہا "میرے بھتیجے جا اور
تیرا جو جی چاہے کر، خدا کی قسم میں تیرا ساتھ ہرگز نہ چھوڑوں گا؟"

آپ کے عہد طفولت کے آنسو ابوطالب کو اپنے ساتھ ملک شام لیجانی
پر آمادہ کرتے ہیں اور سن بلوغ کے یعنی عالم کہولت کے آنسو اپنے نفس کو اور
اپنے اہل و عیال کو راہ حق میں قربان کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں، آنحضرت
کے سامنے جو حق راستہ روشن تھا، اگر اس میں باطل کی ذرا بھی آمیزش
ہوتی، تو آپ کے چچا کا یہ حسن سلوک اور ان کی وفاداری و اعانت آپ کو جاوہر

حق سے باز رکھنے کے لئے کافی تھی، یا عالم از کم اپنے چچا اور اپنے خاندان والوں کو مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے اس قسم کی روش کو چھوڑ دینا، جس کے حق ہونے میں شک و شبہ ہو، مناسب معلوم ہوتا تھا، لیکن اس پیکر استقلال نے راہ حق پر ثابت قدم رہ کر اپنے عقیدہ کی درستگی اور اپنے یقین و اذعان کی پختگی کا نمایاں ثبوت دیا، کیا اس سے بڑھ کر ثبات قدمی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے؟

پتھر کا کلیجہ ہو تو یہ کٹھن مرحلہ طے ہو سکتا ہے، فولادی قدم ہی اس ہولناک منزل میں جم سکتے ہیں، طوفانی ہمت اور سیلابی عزم وار وہ ہی اس غار وادی میں بڑھ سکتا ہے، ایک طرف ابوطالب کو ہلاکت کے خوفناک عین غار دکھائے جا رہے ہیں اور قریش ان کو بار بار دہکیاں دے رہے ہیں، اور دوسری طرف عرب کے زبردست حملہ کا خوف دامن گیر ہے، یہ تمام بجلیاں آشیانہ نبوت اور خرمین رسالت پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بے تاب ہیں، اور اعلیٰ کلمۃ الحق اور آپ کو اپنے راسخ عقیدہ سے منحرف کر دینے پر تلی ہوئی ہیں، لیکن آپ کے اشکوں کی تابانی سے یہ بجلیاں سرد و ماند پڑ جاتی اور آپ کے ہونٹوں کی جنبش انکار سے ساکن ہو جاتی ہیں، یہ وہ مقام امتحان ہے، جہاں راسخ العقیدہ اشخاص کے بھی قدم بغزش میں آجاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے، اور راہ حق میں ہر قسم کی قربانی و ایثار سے کام لیتے ہوئے، جس حریت رائے، وفاداری، صبر و استقامت اور بہادری کا ثبوت دیا ہے، وہ ہمیشہ تاریخ عالم کے صفحات میں غیر فانی اور سبق آموز یادگار ہے۔

آپ کے ساتھ وفاداری، حریت رائے اور اعلیٰ شرافت کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے، کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک شخص، جو شکار کا دلدادہ تھا، ہر روز شکار کھیلنے کے لئے نکلا کرتا اور واپسی کے وقت کعبہ کا طواف کیا کرتا، پھر قریش کی مجلس پر ہوتا ہوا گزرتا، ان کو سلام کرتا اور ان سے گفتگو کرتا تھا، یہ شخص اپنی قوم میں معزز اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے بہت بیزار تھا، یہ حمزہ بن عبدالمطلب ہیں، ایک دن یہ حسب معمول اپنے شکار سے لوٹے اور بدستور بتوں کا طواف کیا، ایک لونڈی نے ان سے کہا کہ ابوالمحکم بن ہشام (ابو جہل) نے محمد کو یہاں بیٹھے ہوئے پایا، تو گالیاں دیں اور سخت ست کہا، محمد نے اسے کچھ بھی نہ کہا اور واپس چلے گئے، حمزہ نے جب آپ کی شان کے خلاف یہ الفاظ سنے، تو بے حد طیش میں آ گئے، اور انھوں نے ابو جہل کے پاس، جو قریش کے ایک مجمع میں تھا، پہنچ کر اسے اپنی کمان سے سخت زخمی کر دیا، اور بولے کیا تو نے اس کو گالیاں دیں؟ حالانکہ میں اس کے دین پر ہوں، میں بھی وہی کہتا ہوں، جو وہ کہتا ہے۔“

قریش کا معزز ترین شخص، جس کو اس کے بتوں سے قربت و عقیدت اور اس کی محفل سے محبت و الفت تھی، صرف اپنے چچا زاد بھائی کی عظمت و کرامت کا خیال کرتے ہوئے اور آپ کی حریت کو پامال کرنے والوں سے جو شش انتقام کی وجہ سے اپنی قوم اور اپنے دین سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے، بڑے بڑے مشکلات و حوادث بھی آپ کو اپنے تبلیغی فرض سے سر مو ہٹانہ سکے، بلکہ آپ نے تمام دنیا کی طاقتوں کو ٹھکراتے

ہوئے فرمایا ” اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں، خواہ میں اس میں ہلاک ہو جاؤں، ہرگز اپنے کام سے باز نہیں رہ سکتا۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق حقیقی اور آپ کی ثبات قدمی کی یہ تہم روشن اور واضح صفات ہیں۔

عقبہ بن ربیعہ اپنی قوم کا نمائندہ اور ان کے خیالات کا ترجمان بن کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے، کہ میرے چچیرے بھائی! آپ بخوبی واقف ہیں، کہ آپ خاندان میں ہم سب سے زیادہ معزز اور نسب میں آپ کا مقام تمام سے بلند و برتر ہے، آپ نے اپنی قوم کو بہت بڑے حادثہ سے دوچار کر دیا ہے، آپ نے ان کے باہم جدائی ڈال دی ان کی عقلوں کو کمزور ٹھہرایا، ان کے بتوں پر کاری ضرب لگائی، ان کے دین کی برائیاں اور عیب جوئیاں کیں، اور ان کے آباء و اجداد کو کافر قرار دیا، میں اس وقت آپ سے چند اہم امور کے متعلق گفتگو کرنا چاہتا ہوں، اگر آپ ان میں سے کسی پر اتفاق کر لیں تو بہتر ہوگا، آپ نے فرمایا کہوا ابو الولید! عقبہ نے کہا آپ جو ایک نئے دین کی اشاعت کر رہے ہیں، اگر آپ کو اس کے ذریعہ دولت کمائی منظور ہے، تو ہم اپنی تمام دولت آپ کے قدموں پر نثار کرنے کے لئے تیار ہیں، یہاں تک کہ آپ ہم سے زیادہ دولت مند ہو جائیں، اگر آپ کا نشاء اس سے جاو و عزت اور مرتبہ حاصل کرنا ہے، تو ہم آپ کو اپنا سردار بناتے ہیں، آپ کی رائے کے خلاف ایک کام بھی نہ کریں گے، اگر آپ کو سلطنت کی خواہش ہے، تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں، اگر آپ کے دماغ میں لاف و باہرا

کچھ خلل و فساد واقع ہو گیا ہے، جس کے علاج سے آپ عاجز ہیں، تو ہم اپنا مال خرچ کر کے آپ کا علاج کرتے ہیں۔

جب عتبہ اپنی بکو اس اور خرافات تک چکا تو آنحضرتؐ نے فرمایا

ابوالولید اسن

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، تم یہ کام رحمن رحیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے، یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ ایسا قرآن ہے جو عربی ہے، ایسے لوگوں کے لئے ہے جو دانشمند ہیں، بشارت دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے، اکثر لوگوں نے روگردانی کی، پھر وہ سنتے ہی نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 حَمْدٌ تَنْزِیْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 كِتَابٌ فَضَّلْتَ آیَاتِهِ قِرَآءًا
 عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَعْلَمُونَ بِشِیرًا
 وَنَدَیْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ
 فَهُمْ لَا یَسْمَعُونَ ؕ

غرض آپ قرآن مجید کی آیتیں تلاوت فرماتے رہے، اور یہی قریش کے بیان کا جواب تھا۔

اگر راہ حق آپ کا مطمح نظر اور مقصد اولین نہ ہوتا، جس کے جذبات سے آپ کا دل لب ریز تھا، تو آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کی کوششیں آپ کے عزم و استقلال اور جوش خودداری کو سرزد کرنے کے لئے موثر ہو جاتی اور آپ ان کی ترغیبوں سے انہی کے دین میں سامان سکون تلاش کرنے پر آمادہ ہو جاتے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی اور طرز معاشرت پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہوگا کہ آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں اور خدمت گزاروں کے ساتھ کس طرح حسن معاملہ کیا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذی ثروت خاتون تھیں اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ان کے مال کی نشوونما آنحضرتؐ ہی کے دست مبارک سے ہوئی، آپ کی حسن معاشرت اور گھریلو زندگی میں آپ کی محبت و رواداری کی بہترین تصویر زید بن حارثہ کے اس واقعہ میں جھلکتی ہے۔

زید بن حارثہ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرب سے خریدا، اور آنحضرتؐ کو بطور نذرانہ پیش کیا، آپ نے ان کو آزاد کر دیا، انھوں نے آپ ہی کے گھر میں زندگی گزار لی، ان کے باپ فدیہ ادا کر کے انھیں لے جانے کی غرض سے آئے، آنحضرتؐ نے ان کے باپ سے فرمایا اب تو یہ آزاد ہیں، ان کو اختیار ہے، جس کو چاہیں پسند کر لیں، لیکن زید رضی اللہ عنہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باپ پر ترجیح دی۔

ذیل کی ایک اور مثال سے پتہ چلے گا، کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و رتبہ لوگوں میں کیا تھا، اس پر خود آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جب آپ پر پہلی مرتبہ وحی نازل ہوئی، تو آپ بہت ہی خوف زدہ ہو گئے، ابھی عالم اضطرابی میں اپنے گھر تشریف لائے، آپ کی نیک دل بیوی آپ کی ان کلمات سے دل جوئی کرتی ہیں کہ ”آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کریگا کیوں کہ آپ رشتہ داروں کے درمیان بلا پیدا کرتے ہیں، ضعیف اور مسکینوں کی غم خواری اور چارہ جوئی کرتے ہیں، ننگوں کو کپڑا پہناتے، ہمالیہ کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اور حق کی راہ میں جو کچھ بھی مشکلات و پریشانی ہوتی ہیں

آپ ان کا ہر طرح سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرتے ہیں؟

ان کی اس شہادت اور حقیقی ترجمانی سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کس قسم کی تھی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ آپ کو اپنے آبائی دین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور ایک نئی انقلابی تحریک پیش کرنے پر کس چیز نے آمادہ کر دیا، جس کے لئے آپ کو بے شمار مشکلات و تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔

یہی وہ ایمانی و ربانی تقاضا تھا، جو آپ کو اپنی بیوی بچوں اور خاندان سے زیادہ عزیز تھا، جس کی طرف آپ نے تمام کوششیں دیں، جس کے بغیر زندگی کا کوئی مدعا و مقصد نہیں اور جو دنیا کی تمام نعمتوں سے بلند و بالا ہے؛ غرض کہ آنحضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق ہر حیثیت سے بلند و برتر اور پاکیزہ تھے، حق پر ثابت قدمی اور محبتِ الہی آپ کی زندگی کا اصل مقصد و مدعا تھا:

میں نے لندن میں ایک بہت بڑے مشرق سے سوال کیا، کہ کیا آپ کہہ سکتے ہیں، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات کہتے تھے، جس پر آپ کو پورا اعتماد و ایمان نہ ہوتا ہو، اس نے نفی میں جواب دیتے ہوئے کہا، ایک چیز جس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جاسکتا، یہ ہے، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے، اور جو بات کہتے اور جس چیز کی دعوت دیتے، اس پر آپ کا ضمیر گواہی دیتا اور آپ کا دل یقین و ایمان کی سچی تصویر پیش کرتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ عظیم الشان صفت ہے، جس کو دوست و دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

الغرض آنحضرت نے حق کی خاطر بہت سی تکلیفیں اٹھائیں، طرح طرح کی

میتیں جھیلیں، آپ کی دشمنی پر کمر باندھی گئی، آپ کو ہجرت کرنی پڑی اور راہ
 حق میں جہاد کرنا پڑا، جو لوگ حق کے طلب گار ہیں، بلکہ طلب حق ایک فریضہ
 انسانی ہے، ان کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین مثال پیش کی گئی ہے
 آپ کے استقلال کے نقش قدم ان کی رہبری کر سکتے ہیں۔

خو، وہ صدیاں گزر جائیں اور زمانہ اپنی گردش کے سینکڑوں دور کے
 ختم کرے، سلسلہ حیات کے ختم ہونے تک بھی آپ، میدان شجاعت کے
 شہسوار تسلیم کئے جائیں گے، نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے بہادروں کو اسی
 رہ گذر سے گذرنا پڑے گا، استقلال اور ثبات قدمی کی یہ بہترین مثال اور
 بلند ترین پیکر ہے، جو لوگوں کو اس امر کی دعوت دے رہا ہے، کہ تمام
 انسان اللہ کے بندے اور غلام ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے
 بھائی ہیں۔

شہسوار شجاعت

یہ اس مضمون میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر شجاعت کی اصلی اور حقیقی تصویر کھینچتا ہوں، اس سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اسلام کے ماقبل کی حالت بیان کر دی جائے، کہ اس وقت سر زمین عرب کی کیا حالت تھی، عرب کی قوم اس نئی تحریک سے کس قدر بیزار تھی، تاہم اس بیان سے یہ امر ذہن نشین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کٹھن مشکلات و حوادث کا بہادرانہ مقابلہ کیا اور اس بڑی ہم کو سر کرنے اور پُر خطر منزل پر ثابت قدم رہنے کے لئے کس قدر قوت و شجاعت کی ضرورت ہے، اسی کے پیش نظر میں موقع و محل کے مناسب واقعات کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی الوالعزمی اور بہادری کو ثابت کروں گا، کہ آپ کی نفسی، اصلاحی، دینی، سیاسی اور اجتماعی شجاعت کس درجہ پر تھی۔

بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کے سامنے ایسی دعوت پیش کی جس نے ان کی زندگی کی کایا پلٹ دی، یہ تحریک صرف ان کے دینی امور تک محدود تھی، بلکہ وہ سیاست، اجتماع، اقتصاد اور تہذیب و تمدن غرض کہ ان کی زندگی کے تمام مظاہر اور حوائج و ضروریات پر مشتمل تھی، یہ آسان امر نہ تھا، کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے دین اور رسم و رواج کو چھوڑ کر اس طرف متوجہ ہو جاتے، اس لئے انھوں نے اس تحریک کی ترویج کرنی اور داعی کی پکار پر نفرت و بیزاری کا اظہار ضروری سمجھا، تاکہ آپ ان کے دین اور ان کے بتوں کی تعظیم پر مجبور ہو جائیں۔

سرزمین مکہ تمام عربوں کی جولاں نگاہ اور فضیلت و ہدایت کا چشمہ تھی، تمام لوگ یہاں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ حج کیا کرتے تھے، کعبہ کی مجاورت اور اس کی حفاظت کا شرف و اعزاز قریش کو حاصل تھا، لوگ اپنے جان و مال کی حفاظت، اور تجارتی کاروبار اور حصول منافع کے لئے موسم گرما میں شام و عراق اور موسم سرما میں یمن کی جانب کوچ کیا کرتے، اسی امتیازی شان کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں، یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں تو ان کو چاہیے، کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خودت سے ان کو امن دیا۔

لایلاف قریش ایلافہم
رحلۃ الشتاء والصیف
فلیعبدا وارب هذا
البت الذی اطعمہم

من جوع و آمنهم من خوفه

قریش کو جب یہ فتنہ و شرف اور عزت و مرتبہ حاصل تھا، تو ان کے نظام کو تبدیل کرنے اور ان کے دین میں تغیر پیدا کر دینے کا ارادہ بلا شک و شبہ ان کی علانیہ دشمنی مول لینے کے مرادف تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلا خوف و خطر ان کو پہلے توحید کی طرف بلاتے اور اس کے بعد عذاب الہی سے ڈراتے ہیں، آپ کی قوم اپنے بتوں کی عقیدت کو چھوڑ کر ایک خدا کے آگے سر جھکانے سے انکار کرتی اور جزاء و سزا، حساب و میزان اور حشر و نشر کو اپنی عقل اور مرضی کے سراسر مخالف پاتی ہے۔

بتوں کی و الہانہ پرستش اور ان کے ساتھ غیر معمولی عقیدت مندی کا تصور جو صد ہا سال پیشتر رائج تھا، موجودہ دور میں ہمارے لئے تعجب خیز ہو گا مگر آنحضرتؐ کے زمانے میں بت پرستی کا دور دورہ تھا، یہود و نصاریٰ تو اس گمراہی کا مرکز تھے، اور بت پرستانہ خیالات و اوہام ان کے رگ دریشہ میں جاگزیں ہو گئے تھے؛

ہمارا ذہن تو بت پرستی کو قبول کرنے کے بجائے اس کا مضحکہ خیز تصور کرتا ہے، لیکن انسانی طبائع اس طرف بہت مائل ہو جاتی ہیں، چنانچہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں بت پرست قوموں کے مظاہرہ سے بے قابو ہو کر کہتے ہیں، اجعل لنا الہا کما الہم آلہة ہمارے لئے یہی ایک خدا بنا دے جیسا کہ ان کے لئے کئی خدا ہیں۔

قدیم باشندگان مصر ہزاروں سال تک پتھروں، ستاروں اور جانوروں کی پوجا کرتے رہے، پس اگر قریش کے لئے ان بت پرستانہ عقائد کو چھوڑ دینا، جن کے آباء و اجداد صدیوں تک پابند رہے، انتہائی شاق گذرے

تو کوئی تعجب نہیں!

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کو توحید کی طرف بلائے اور قوم کی کمزوریاں بیان کرنے تک محدود رکھتے، تو مخالفت بھی سجاوہ نہ ہوتی لیکن آپ نے ان کے رد و رد و زقیامت جزاء و منراء اور بعثت و نشر پر ایمان لانے کی دعوت کا بھی مسئلہ چھیڑ دیا، اس حقیقت کو انھوں نے تعجب کی نظر سے دیکھا، اور بالکل محال اور ناممکن سمجھا، اور مضحکہ خیز انداز میں کہنے لگے۔

اذا امتنا ركننا شراباً کیا جب ہم چائیں گے اور ہڈیاں بن کر
وعظماً ائنا لمبعوثون خاک ہو جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ
زندہ ہوں گے؟

اس طرح انھوں نے اپنی سمجھ بوجھ کے لحاظ سے داعی اسلام کی عقلی و فکری جدوجہد کو کمزور ثابت کرنے کے لئے تمسخر آمیز اسدلال کرنا شروع کر دیا، ایک دن ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لئے ہوئے آنحضرت کے پاس آیا اور کہنے لگا،

اے محمد! کیا آپ کا خیال ہے، کہ خدائے تعالیٰ اس ہڈی کی دوبارہ تخلیق کرے گا، یہ کہہ کر اس نے اس ہڈی کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور اس کے ریزے آپ کے رد و رد و ہوا میں بکھیر دیئے، قرآن مجید نے اس طرح اس کی الزامی تردید کی۔

و ضرب لنا مثلاً ونسئ خلقه اور اس نے ہماری شان میں ایک عجیب
قال من يحيى العظام وهى مضمون بیان کیا اور اپنی اصل کو بھول
زميم قل يحيى الذى انشأها گیا کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ

اول صرۃ دھو، بکلی
خلقِ علیم ۵

ہو گئی ہوں، کون زندہ کریگا، آپ جو اب
دیجئے کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے
اول بار میں ان کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ
سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

توحید اور بعثت و نشر کی تبلیغ سے قریش کی ناسمجھ عقلوں اور ان کے
دین کو بڑا ہی صدمہ پہنچا، انھوں نے داعی اسلام کا مذاق اڑانا شروع کر دیا
اور اس کی دشمنی اور ایذا رسانی پر کمر باندھ لی۔

آنحضرتؐ نے اپنی دعوتِ حق کو اسی حد تک محصور نہیں کیا، بلکہ شراب
نوشی، زنا کاری، جو ابازی اور عسود خواری کی حرمت کا اعلان کر دیا۔ قریش
اس تحریک کی بھلاکب تاب لانے والے تھے، یہ چار چیزیں تو ان کی زندگی کی
اہم ضروریات تھیں، اور یہی ان کے لئے فخر و عزت، دولت و ثروت اور
منفعت کا سرمایہ سمجھی جاتی تھیں۔

سو تو قریش کے تمام قبیلوں میں عام تھا، آنحضرتؐ کا مدعا یہ تھا، کہ
سو کو بھیسے وہ اپنی زندگی کا بیش بہا سرمایہ اور فراوانی دولت کا ذریعہ سمجھتے تھے
تعلقاً حرام کر دیں، لیکن قوم قریش اس متاعِ عزیز کو قربان کر دینے پر کیوں کر
راضی ہوتی۔

شراب، زنا، جو اب اور سودیہ تمام چیزیں ان کے نفوس میں کس طرح
گھر کر گئی تھیں، اس کے لئے میں یہاں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جس سے
اندازہ ہو سکے گا، کہ یہ خیس مشاغل قریش کے ہاتھ میں آلہ کار بنے ہوئے
تھے، جس کے ذریعہ دیگر عربوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سننے سے
بھی نفرت دلانی جاتی تھی، اعمش قیس اسلام لانے کی غرض سے مکہ کے قریب آیا

اپنے ایک قصیدہ میں رسول اکرم کی تعریف کی، جس میں وہ کہتا ہے :-

والبیت لا ارفی لہا من کلالۃ
ولا من حفی حتی تلاقی محمدا
کبھی تیری مالا ترون و ذکرہ
اغار عمری فی البلاد وانجلا!
میں نے قسم کھا رکھی ہے، کہ جب تک
میری اونٹنی محمد سے ملاقات نہ کرے
میں اس کے ضعف و اضمحال اور اس
کے پاؤں کے زخمی ہو جانے کا رنج نہ کروں
یہ ایسا بنی ہے، جس کی نظر میں دو چیزیں
روشن ہیں جن کو تم نہیں دیکھ سکتے، میری
زندگی کی قسم کہ اس کا ذکر دور دور کے
پست و بلند ملکوں تک پھیل گیا ہے۔ ۱۲۰

جب وہ مکہ پہنچ کر آنحضرت کے پاس جانا چاہا، تو قریش کے بعض
مشرکین نے اس کو روک کر کہا اے ابولعبیر! وہ زنا کو حرام قرار دیتا ہے، عشی
نے جواب دیا بخدا مجھے بھی اس کی خواہش نہیں، پھر انھوں نے کہا اے ابولعبیر!
وہ شراب نوشی سے منع کرتا ہے، عشی نے کہا خدا کی قسم اس سے نفس کے
اندر بہت سی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن میں فی الحماں واپس جاتا ہوں
آئندہ سال اس کے پاس حاضر ہو کر ضرور اسلام قبول کر لوں گا، یہ کہہ کر وہ واپس
لوٹ گیا اور اسی سال وفات پا گیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت، حشر و نشر کی خبر دینے اور
قوم کو ان کے محبوب و مرغوب اور پسندیدہ مشاغل کے سدباب ہی پر اکتفاء
نہی، بلکہ اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب اور ان کے تصور سے یقیناً ترین
تحریک یعنی اخوت و مساوات کی طرف بلایا، حالانکہ انھوں نے اپنی تمام عمریں
حُب و نسب کے امتیازی تخیلات اور باہمی محز و مباہات میں گزار دی تھیں۔

بعلا اس وقت کا کیا حال ہوگا، جب کہ آنحضرت اکرم نے آقا و عثمان
 اور امیر و غریب کے درمیان مساوات و یکسانیت قائم کرنے، تمام لوگوں
 کو انسانیت کے ایک مقام پر جمع کرنے اور ان کو ایک ہی رشتہ میں
 منسلک کرنے کی انقلابی تحریک اٹھائی، یہ ایسی ایسی تھی، جس کو تسلیم
 کرنے کے لئے قریش کبھی تیار نہ تھے، یہ وہی لوگ تھے، جنہوں نے انسانی
 حقوق پامال کرنے اور رنگ و نسل کے امتیازات کی حدود قائم کرنے
 کے لئے اپنے دین میں تحریف کر دی تھی، دیگر عوام الناس کی طرح
 عذہ میں ہر گروہوں کو اپنے سے انکار کر دیا تھا، حالانکہ یہ بخوبی واقف
 تھے کہ عذہ میں نہرنا اور طواف کرنا فرض حج اور شعائر ابراہیمی میں سے
 ہے، یہ وہی قریش تھے جو ننگے بدن بیت اللہ کا طواف کرتے اور وہابی
 عربوں کے کپڑے اتار کر ان کو ننگے بدن طواف کرنے پر مجبور کرتے
 تھے، یہ وہی تھے جنہوں نے اپنی حسب، منشا، بے شمار امتیازات
 و حدود اپنے ساتھ مخصوص کر لئے تھے، اس قسم کی خصوصیات
 رکھنے والی قوم کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت، مساوات
 اور تحریک اخوت پر راضی ہو سکتی تھی، اور خود آنحضرتؐ کیوں کر اپنے
 قبیلہ کے دو برو یہ کہنا گوارا کر سکتے تھے، کہ "اے بنی ہاشم میرے
 سامنے لوگوں کے اعمال و کردار پیش نہ کرو، بلکہ ان کے نبیوں
 کو بیان کرو"

تعجب اور حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ، آنحضرتؐ نے باوجود قریش
 کے ممتاز ترین خاندان میں شمار ہونے اور باوجود صاحب ریاست قبیلہ
 سے تعلق رکھنے کے جاہلیت ہی کے زمانے سے ہر قسم کے امتیازات کو

نشا دیا، مبعوث ہونے اور وحی سے سرفراز ہونے سے پہلے اپنے آپ کو
اپنی قوم کے افراد کے برابر سمجھا۔

قریش کو اس تحریک مساوات اور دعوت اتحاد پر کیسے صبر و
سکون نصیب ہو سکتا تھا، یہ تو غلاموں پر قسم قسم کی سختیاں، کمزوروں پر
کراہ طرح کے مظالم اور مسکینوں پر نوع بہ نوع کی مصیبتیں روا رکھا کرتے
تھے، آنحضرت اکرمؐ نے نہ صرف ان کے بتوں کی توہین کی، ان کو قیامت
کے سخت عذاب سے ڈرایا، ان کے جاہ و دبدبہ کے غرور کو توڑا، شراب،
زنا، جوا، سود اور دیگر ناشائستہ نفسانی خواہشات کا انسداد کیا اور کمزوروں
اور طاقتوروں، آقاؤں اور غلاموں کے درمیان مساوات دیکھا نکت
قائم کر دی۔ بلکہ مال داروں اور ایروں کے مالوں میں سے
غلاموں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق دلانے کی تحریک بلند کی اور
علی الاعلان پکار کر کہا "و فی اموالہم حق معلوم للسائل
والمحسوم" ان کے مالوں میں سے حاجتمندوں اور حمان نصیبوں
کے لئے ایک مقررہ حق ہے یہ حق ان سے زبردستی لیا جائے گا اور ان پر
تاوان عائد ہوگا، یہ تاوان (زکوٰۃ) قوم کے نزدیک ادائے فریضہ سے بھی
زیادہ دشوار تھا، آنحضرتؐ نے جب وفات پائی، تو سب سے پہلے ان
لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، جو اس کو کٹھن سمجھتے تھے، اس کی
وجہ سے بہت سے لوگ مرتد بھی ہو گئے۔

یہ اس زمانے کی سوسائٹی کی حالت کا خاکہ ہے، جس میں آنحضرتؐ
نے اپنی قوم کو توحیدی، اجتماعی اور سیاسی نظام کی دعوت دی، اس دور
کی سوسائٹی کی تصویر قرآن مجید نے ایک ہی آیت میں اس طرح

کھینچی ہے۔ فقالوا ان نبتع اهلدي معك نتخطف من
ارضنا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تیرے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہم
اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ، اس ہمہ گیر مقابلہ کے لئے کس قدر صبر
و عزیمت اور ہمت و شجاعت درکار نہ ہوگی، بقار انسانیت کا دار و مدار
شجاعت اور صبر ہی پر ہے، اپنی دو چیزوں سے انسانی زندگی مستحکم بن سکتی
ہے، شہیدوں اور بہادروں کے بے شمار واقعات نے اسی شجاعت
کی بدولت تاریخ عالم کے صفحات کو رنگین و لالہ زار بنا رکھا ہے، جن میں
راہ حق تک پہنچنے کے لئے کئی ایک روشن اور درخشاں علامات موجود
ہیں، بطل اعظم کی پوری زندگی کا شجاعت کے نقطہ نظر سے جائزہ لیا
جائے، تو آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا، جو شجاعت و دلیری کی
بیعتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے نہ پیش کرتا ہو، عہد طفولیت سے زمانہ
جاہلیت تک اور دور جاہلیت سے مابعد اسلام تک آپ کی شجاعت
کے جواہر پارے درخشاں نظر آتے ہیں۔

بچپن میں آپ کو لات و عزی کی قسم کھانے پر مجبور کیا گیا، تو
آپ نے فرمایا: "میرے سامنے ان کا نام تک نہ لو، خدا کی قسم مجھے ان سے
سخت بغض و نفرت ہے"

بچپن میں آپ اپنی قوم کے خداؤں کی بابت اس قدر جرأت
آمیز توہین کرتے ہیں، کہ آپ کے دل میں ذرا بھی خوف و خطر کا گزر
نہیں ہوتا۔

آپ اپنے چچا کے ساتھ ایک قافلہ کے ہمراہ یمن کی جانب تشریف

لے گئے، اس وقت آپ کی عمر سترہ برس کی تھی، قافلہ میں سے ایک اونٹ واوی میں بڑک گیا تھا، آپ نے نہایت جرات سے کام لیا اور اس کی سرکشی دور کر دی۔

قافلہ کو ایک واوی عبور کرتی تھی، واوی پانی سے بھر پور تھی قافلہ کی ہیبت کھ گئی، آپ نے اقدام کیا اور فرمایا میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ مذکورہ بالا چند واقعات آپ کے بچپن کی شجاعت پر دلالت کرتے ہیں، لیکن ہم رسالت کے بعد کے ان واقعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے دنیا کے بہادروں کی گردنیں آپ کی عظمت و شجاعت کے آگے جھکا دیں، آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "اصداع بما تومر و اعرض عن المشركين" (تمہیں جو حکم دیا جاتا ہے، اس کی پیروی کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو) کے مطابق اپنی قوم میں بانگِ دہل اپنی دعوت و تبلیغ کو سنانا شروع کیا۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں "جنگ جب زیادہ خوفناک اور ہیبت ناک ہو جاتی اور ہنگامہ کار زار گرم رہتا، تو ہم آنحضرتؐ کی آڑ لیتے، آپ سے بڑھ کر کوئی شخص دشمن کا مقابلہ نہیں کرتا۔" ذیل کی دو مثالوں سے ظاہر ہوگا کہ جنگ کے موقعوں پر آپ شجاعت اور بہادری کے کہاں تک شہ سوار تھے۔

ایک رات اہل مدینہ ایک خوفناک آواز سے گھبرا گئے، کچھ لوگ آواز کی جانب دوڑے ہوئے آئے، کیا دیکھتے ہیں، کہ آنحضرتؐ واپس تشریف لارہے ہیں، لوگوں کے پہنچنے سے پیشتر ہی آپ آواز کا پتہ چلانے نکل گئے، آپ گھوڑے پر سوار تھے، گلے میں تلوار لٹکی ہوئی تھی اور فرما رہے تھے

”گھبراؤ نہیں؟“

غزوہ خنین میں جس وقت تمام لوگ میدان چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں
بھاگ رہے تھے، آپ تنہا چمپر پر سوار فرماتے تھے۔

انا لبني لا كذاب

انا ابن عبدالمطلب

”میں بنی ہوں یہ کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اس
وقت آپ کے سوا کوئی بھی دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم نہ رہا۔
میں نے مختصر طور پر خصوصیت کے ساتھ دو واقعے اس لئے بیان کئے
تاکہ شجاعت کے دو اہم پہلو نظروں کے سامنے آجائیں، پہلے واقعہ میں بتلایا
گیا ہے کہ رسول اکرمؐ لوگوں کے پہنچنے سے پیشتر ہی خطرہ کے مقام پر پہنچ
گئے تھے، دوسرے واقعہ میں اس امر کی صراحت کی گئی کہ آپ خطرناک مقام
پر دشمنوں کے زرعہ میں تنہا ثابت قدم رہ کر مقابلہ کرتے رہے اور لوگ
تمام تر فرار ہو چکے تھے، ماہرین حرب اور جنگی اصول و قوانین سے واقف
حضرات اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں، کہ اپنی دو کٹھن مقامات پر
شجاعت و استقلال کے جوہر آزمائے جاتے ہیں، ایسے موقع پر جبکہ
خوف و ہیبت دلوں پر طاری اور رعب غالب ہو، تو خطرہ کی جانب قدم
بڑھانا اور صبر و استقامت کے دامن کو ہاتھ سے جانے نہ دینا نفس کے لئے
بہت ہی دشوار ہے۔

یہ شجاعت جس کی بدولت قوموں کے بہادرروں نے غیر معمولی ناموری
اور شہرت حاصل کی، اور جس میں آنحضرتؐ کا بھی ایک گراں قدر حصہ تھا۔

میرے نزدیک اس شجاعت کے مشابہہ و لہجہ میں نہیں ہو سکتی، جس سے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا شمار تو بہادری کے اعلیٰ ترین صفات
 میں بھی نہیں ہوتا، البتہ آپ کی اصلی شجاعت دعوتِ حق کو اپنی قوم میں ایسے
 نازک دور میں پیش کرنا ہے، جب کہ اس کے خلاف ان کے دل نفرت
 و بیزاری کے جذبات سے معمور ہوتے ہیں، یہ ہے آپ کی شجاعت کہ
 آپ تکلیفوں اور مسلسل ایذا اور سائیوں پر صبر اختیار کرتے ہیں، ایسے
 کہتے ہیں ہمت و استقلال کہ قریش کے لوگ آپ کے چچا ابوطالب اور آپ
 کے خاندان والوں سے، جنہوں نے آپ کا اتباع کیا اور حمایت و مدد کی،
 قطع تعلق کرنے کے لئے آپس میں معاہدہ کرتے ہیں، اور وہ معاہدہ صحیفہ
 کی شکل میں کعبہ کی چوکھٹ پر آویزاں کیا جاتا ہے، یہ تمام تین سال تک
 ابوطالب کی گھائی میں محصور رہتے ہیں، اس کے باوجود آپ اپنے گھر پر
 برابر نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی باواز بلند تلاوت فرماتے ہیں، یہ ہے
 آپ کی بہادری کی اعلیٰ مثال کہ آپ اپنے مددگاروں (انصار) کو مسلسل
 ایذاؤں اور پیہم تکلیفوں سے نجات دلانے کے لئے حبشہ کی طرف ہجرت
 کر جانے کا حکم کرتے ہیں، اس سے کہتے ہیں صبر و تحمل کہ ان کے بعد آپ مصیبتیں
 پھیلنے اور مصائب و حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے تہاڑہ جاتے ہیں، یہ
 ہے آپ کی استقامت و شجاعت کہ آپ کے مددگار اور ہم دروچچا ابوطالب
 اور آپ کی مونس و غم گسار رقیقہ جیہات حضرت خدیجہؓ کا سیکے بعد دیگرے
 انتقال ہو جاتا ہے، پھر اس کے بعد آپ مکہ میں قیام پذیر ہوتے ہیں
 جہاں فتنہ و فساد کی آندھیاں اور حوادث کی مسموم ہوائیں اس زور
 سے چلتی ہیں کہ جن کے مقابلہ کی تاب مضبوط اور ٹھوس پہاڑ بھی نہیں لاسکتے

تھے یہ ہے کہ استقلال اور ثبات اور عزیمت کی مستحکم چٹان کہ آپ پر طرح طرح کی سختیاں روا رکھی جاتی ہیں، آپ کے ساتھ تمسخر آمیز برتاؤ کیا جاتا اور ہر گز آپ کی دعوت کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ہجرت کے بعد جب آپ کے تمام انصاف و شرب لوٹتے ہیں تو آپ ایک دن یح ایک دن بیت اللہ میں اپنی منسا ز اور فرائض با آواز بلند ادا کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی لای الاعلان فرماتے !

یہ وہ واقعات و تمثیلات ہیں، کہ اگر ان کی صحیح طور پر تصور پرپہنچی جائے اور لوگوں کے روبرو دکھن پیرایہ میں بیان کیا جائے، تو ان کی بدولت ہر ملک اور ہر نسل کے بہادر رول کے سینوں میں اس قسم کی شجاعت کے جذبات پیدا ہوں گے اور آپ تمام ادیان و ملل کے لئے خواہ وہ توحید پرست ہوں یا مشرک، سفید نسل کے ہوں یا سیاہ نسل کے ہر ایک کے لئے شجاعت کے پیشوا و تسلیم کئے جائیں گے۔

یہ وہ نفسی و ادبی شجاعت و استقامت ہے، جو کسی کے تمسخر سے کم زور نہیں ہو سکتی، نہ کسی کی وعیدیں اور دہکیاں اس کو فرو کر سکتی ہیں اور نہ لالچ اس کے جوہر کو دھندل کر سکتا ہے، اخلاق محمدی نے اس درجہ جو غیر فانی سند قبولیت حاصل کی ہے، یہ محض شجاعت ہی کا ایک کرشمہ ہے جو تاریخ عالم کے صفحات پر زریں حروف میں آفکار ہے۔

استہزا و تمسخر جس کو قریش نے بطور آرا کا استعمال کیا، پائے استقلال کو ٹھکرانے میں اپنے اندر کافی اثر رکھتا ہے، یہ ہتھیار جسمانی تکلیفوں اور ایذاؤں کے مقابلہ میں بڑے بڑے بہادروں کی جرات کو خاک میں ملا دیتا ہے !

ایک مرتبہ آپ نے صفائی پھاڑی پر گھڑے پہر کر قریش کو بلایا، جب وہ سب جمع ہو گئے، تو ان کو خدائے تعالیٰ کے حساب و عذاب سے ڈرایا کسی نے بھی آپ کی بات نہ سنی اور سب کے سب واپس لوٹ گئے، آخر کار ابوہب نے کہہ دیا، "تو ہلاک ہو جائے، کیا اسی لئے ہمیں تو نے بلایا تھا؟"

کہ قریش آپس میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے، لا تسمعوا هذا القرآن والغوا فیہ معکم تغلبون؟ یہ قرآن نہ سنا بلکہ اس کے سننے کے وقت شور مچاؤ، تاکہ تم اس پر غالب ہو جاؤ۔

وہ خود اس امر سے بخوبی واقف تھے، کہ تم سحر و استہزاؤ کا ہتھیار بہ نسبت تکلیف دہی و ایذا و رسانی کے زیادہ موثر اور کارآمد ہے، اسی وجہ سے وہ لوگ اس پہلو سے غافل نہ رہے، جب قرآن پاک نے ان کو شجرۃ الزقوم (درخت قہوہر) کی وعید سنائی، تو انھوں نے حد سے زیادہ بے اعتدالی شروع کر دی، بعضوں نے مذاق کے پیرائیہ میں کہا، اے قریش کی جماعت! کیا تم زقوم کے درخت سے واقف ہو، جس سے محمد تمہیں ڈراتا ہے؟

جب قرآن مجید میں دوزخ کے سلسلہ میں یہ تذکرہ آیا، کہ دوزخ پر انیس فرشتے مامور ہیں، تو ابو جہل نے آنحضرتؐ کا تمسخر کرتے ہوئے کہا، اے قریش کی جماعت! محمد کا گمان ہے کہ خدا کے لشکر کی تعداد جو تمہیں دوزخ میں ڈھکیلے کے لئے مقرر کی گئی ہے، کل انیس ہے، لیکن تم تعداد میں اس سے زیادہ ہو، کیا تمہارے ہر تن آدمی ان میں سے ہر ایک کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی نہیں؟

قرآن مجید ان کے اس زعم باطل کی تردید اس طرح کرتا ہے۔
وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّاسِ هُمْ لَدُنَّا وَاللَّوِلُّوْنَ (کے نگران کار فرشتے

اَلَا مَلَا شَكَّةً وَمَا جَعَلْنَا
عَدُوَّهُمَا لَا فِتْنَةَ لِلَّذِينَ
ہی بنائے ہیں، اُن کی تعداد
ہم نے کافروں کے لئے محض لیتے
تھرایا ہے؛

کفر و اہ

جب آنحضرتؐ کسی محفل میں لوگوں کو دعوتِ حق سناتے رہتے، تو
نضر بن حارث بھی آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا، اور یہ لوگوں کو ایرانیوں کے
افسانے اور رستم و اسفندیار کی بہادری کی داستانیں سنایا کرتا اور کہتا اے
قوم قریش! خدا کی قسم میں محمدؐ سے زیادہ اچھے اچھے قصبے اور ہوش ربا افسانے
سناتا ہوں تم تمام میرے پاس جمع ہو جاؤ، جس طرح خدا اپنا کلام محمدؐ پر نازل کرتا ہے
میں بھی اس قسم کی داستانیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ
لوگوں کو رستم و اسفندیار اور ایران کے بادشاہوں کے واقعات سنایا کرتا۔
آنحضرتؐ اور آپؐ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس سے بڑھ کر مذاق
اور تمسخر اور کیا ہو سکتا ہے۔

جناب بن اربث آنحضرتؐ کے صحابہ میں ایک کمزور اور غریب صحابی
تھے یہ تلواریں بنا کر اپنے اوقات بسر کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ مکہ کے ایک
صاحب اقتدار شخص عاص بن وائل کے پاس اپنی بنائی ہوئی تلوار کی اجرت
طلب کرنے کے لئے گئے، اس نے کہا جناب! کیا تمہارے پیغمبر محمدؐ کا یہ
گمان نہیں ہے، کہ جنت میں ہر شخص کو اس کی خواہش اور آرزو کے مطابق
تمام چیزیں ملتی ہیں، جناب نے جواب دیا بے شک! اس نے کہا اے
جناب! مجھے قیامت کے دن تک ہمت دو، میں بھی وہیں پہنچ کر تمہاری
اجرت دوں گا۔ بخدا اے جناب تم اور تمہارے صحابہ، خدا کے نزدیک مجھ کو

زیادہ حقدار نہیں ہو سکتے۔

ولید بن مغیرہ مکہ میں اور ابو عروہ بن مسعود ثقفی طائف میں واحد سردار تھے، یہ دونوں آنحضرتؐ کی تحقیر شان کی غرض سے کہتے تھے: "لو لا انزل هذا القرآن علی رجل من القدریتین عظیم: کیوں نہیں اتارا گیا یہ قرآن دو بستیوں کے کسی ایک بڑے شخص پر۔"

باوجود اس تمسخر اور مذاق کے دعوت و تبلیغ کے کام میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہوئی، بخلاف اس کے صبر اور شجاعت کے پوشیدہ جوہر اور چمک اٹھے، کئی سال تک تمسخر و ایذا رسانی کا یہی سلسلہ جاری رہا، لیکن بہادری و استقامت اپنے جادہ حق پر مستعمل ہو کر دشمنوں کے دلوں میں رعب و ہیبت کے جذبات طاری کرتی اور نفسی شجاعت کی بلند پایہ سند حاصل کرتی رہی۔

جب استہزہ و ایذا رسانی کے تمام اسلحہ ایک ایک کر کے ختم ہو چکے، اور ایک خود دار اور جبری نفس نے ان تمام حلوں کو برداشت کر لیا تو مشرکین عرب کو چھٹکارا پانے کا صرف ایک راستہ نظر آیا اور وہ آپ کے قتل کا منصوبہ تھا، جب آپ کو اس کی اطلاع ملتی ہے، تو پوشیدہ طریقے سے ہجرت کر جاتے ہیں اور غار ثور میں پہنچ کر اپنے رفیق کو ہمت دلاتے ہیں: "لا تحزن ان اللہ معنا غم نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

اس کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، جس میں تلوار چمکتی ہے، جیسا کہ اس سے پہلے نفس کے جوہر شجاعت کے صیقل سے چمکتے اٹھے تھے، آنحضرتؐ نے صبر و رضا اور قہر و جفا کے مراحل یکے بعد دیگرے طے کر لئے اور ہر ایک منزل پر اپنی مردانگی کے جوہر دکھاتے

رہے، آپ کی کتاب شجاعت جس میں شجاعت کی تصویریں، صبر کی بہترین
تمثیلیں اور عزم و ہمت کے مستقل شاہکار ہیں، ہمیشہ تلاوت
کی جائے گی۔

آئینہ وفا

ہم یہاں بطل اعظم کی وفاداری کی تصویر پیش کرنا چاہتے ہیں، کہ آپ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ کس قسم کا وفادارانہ سلوک کیا کرتے تھے۔

وفاداری تمام مکارم اخلاق کی اصل ہے، اسی سے تمام قوموں، جماعتوں اور افراد کی خوش گوار زندگی وابستہ ہے، اگر دنیا اس کی حقیقت سے روشناس ہو جائے اور اس کی پابندی کرے، تو سعادت و ارتقاء کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہو سکتی ہے۔

حسن و فائیک وفادار انسان کے دل کی مسرت بخش کیفیت کا مظہر ہے، جس شخص کے ساتھ وفادارانہ برتاؤ کیا جاتا ہے، اس کا دل محبت

ونکی کے جذبات سے لب و زہر ہو جاتا ہے، تمام کے نزدیک مذنب و فاجر ایک بلند مرتبہ
 شئی ہے، ہمیشہ وفادار قوموں ہی کی دوستی سند قبولیت حاصل کرتی اور ان کے
 معاہدہ کرنے کے لئے پیش قدمی کی جاتی ہے۔

آمین وفاداری سے روگردانی کا نتیجہ ہے، کہ دنیا عجیب کش کش اور
 پیچ و اضطراب کے عالم میں سرگردان ہے، جب ایک کو دوسرے پر اعتماد ہی نہ رہا،
 تو باہمی معاہدہ و اقرار کیونکر برقرار رہ سکتا ہے۔

اگر عہد و پیمان کی شان و منزلت کا وہ تخیل، جس کو آنحضرتؐ نے پیش
 کیا تھا، نظروں سے اوجھل نہ ہوتا، تو آج دنیا کو اس پر فریب زندگی کے گورکھ
 دھندوں سے سابقہ نہ پڑتا! اگر مسلمان آنحضرتؐ کے آئینہ وفا کو پیش نظر رکھ کر
 آپ کے اصولوں پر چلتے اور دیگر اقوام کے لئے نمونہ بنتے، تو آج حکومتوں کے
 درمیان عظیم الشان تعلقات و روابط استوار ہوتے، صلح و آشتی اور انصاف
 و راست بازی کے ہر جگہ چرچے ہوتے، لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہوتی
 اور ان کی آبرو کا دامن اس طرح چاک نہ ہوتا، ہم یہاں آنحضرتؐ کی شان و وفاداری
 کی چند اہم مثالیں پیش کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا، کہ آپ کی نگاہ میں
 اس کا درجہ کیا تھا!

صلح حدیبیہ کے ایک سال پیشتر قریش نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا، اس
 کے لئے وہاں کے اضلاع و اطراف سے آدمی جمع کئے گئے تھے، بنو قریظہ نے
 رسول اکرمؐ کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا، جس کی وجہ سے مسلمانوں پر مصیبتوں
 کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، لیکن اللہ نے اپنے نبی کی مدد فرمائی اور آپ کے
 لشکر کو غلبہ عطا کیا اور مشرکین کے دلوں میں رعب و ہیبت طاری کر دی،
 تھوڑے ہی عرصہ میں آنحضرتؐ اپنی جمعیت کے ساتھ مکہ میں گھس پڑتے

ہیں اور حدیبیہ کے میدان میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں، قریش اپنے قاصدوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کرتے ہیں۔

عروہ بن مسعود ثقفی قریش کا قاصد جب واپس لوٹ کر اپنی قوم میں جاتا ہے، تو آنحضرتؐ کی اور آپؐ کی فوج کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے "میں قیصر و کسری کے دربار اور نجاشی کی سلطنت میں گیا، مگر خدا کی قسم کسی قوم کو اپنے بادشاہ کی اتنی قدر و منزلت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جتنی محمدؐ کے صحابہ ان کے بنی کی کرتے ہیں۔"

آنحضرتؐ کے پاس کافی فوج اور قوت موجود تھی، لیکن اس کے باوجود آپؐ ہمیشہ ہی اعلان کرتے رہے، کہ آپؐ کا ارادہ جنگ کرنے کا نہیں نیز فرماتے ہیں، قریش آج کے دن صلہ رحمی اور ربط تعلق کی درخواست کریں، تو مجھے اس کو قبول کرنے میں کوئی باک نہ ہوگا، جب سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے نائندہ بن کر صلح نامہ لکھوانے کے لئے آتا ہے، تو صلح نامہ میں ایک شرط ایسی بھی تھی، جس میں مسلمانوں کی سراسر حق تلفی معلوم ہوتی تھی، وہ شرط یہ تھی، کہ قریش کا کوئی شخص بغیر ان کی اجازت کے مسلمانوں میں جا کر پناہ گزیں ہو جائے، تو آنحضرتؐ اس کو واپس بھیج دیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص قریش میں مل جائے تو وہ اس کو واپس نہ کریں گے۔

اس کڑی شرط نے مسلمانوں کے جذبات میں ایک ہیجان سا برپا کر دیا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کبھی حضرت ابو بکرؓ کی طرف جاتے ہیں اور کبھی آنحضرتؐ کے پاس اور کہتے ہیں، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ کیا آپؐ خدا کے رسول نہیں؟ بھلا کیوں کر ہم اس یک رخی

شرط کو قبول کر لیں، جس میں ہواڑے دین کی شان و عظمت کی توہین کی گئی ہے، آنحضرتؐ جو اب دیتے ہیں ”میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں“ میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا، مجھے یقین ہے، کہ وہ مجھے ہرگز کوئی زک یا نقصان نہیں پہنچائے گا، اور ابو بکرؓ پکار کر کہتے ہیں ”میں گواہی دیتا ہوں، کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اس شرط کو قبول کر لینے میں ایک بہت بڑا راز مضمر ہے، جس کو وہ لوگ نہیں جان سکتے، یہ موقع تھا اللہ کی جناب سے مسلمانوں کے صبر و استقامت کو آزمانے کا، اور مسلمان بحث و مناظرہ میں حیران و سرایسہ تھے، اور آنحضرتؐ قریش کے سفیر سہیل بن عمرو سے معاہدہ و صلح کی گفتگو سے فارغ ہو چکے تھے اور ابھی عہد و پیمان لکھا نہیں گیا تھا، کہ اتنے میں ابو جندل اپنی بیڑیاں پہنے ہوئے پناہ کی خاطر حاضر ہو جاتے ہیں۔

یہ ابو جندل اسی سہیل بن عمرو کے بیٹے ہیں، جو مشرکین کے ہاتھ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلے آئے تھے، سہیل نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا، تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے محمدؐ! اس کے آنے سے پیشتر ہی میرے اور آپ کے درمیان زبانی معاہدہ طے ہو چکا ہے، آنحضرتؐ نے جواب دیا ہاں درست ہے، اور ابو جندل پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، اے مسلمانو! کیا میں پھر مشرکوں کے پاس پلٹ جاؤں، اور وہ مجھے ایذا نہیں پہنچا پہنچا کر موت کے گھاٹ اتار دیں؟ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے، کہ یہ حقائق و واقعات محمدؐ عربی کی بے نظیر شجاعت پر کس حد تک شاہد ہیں، یہ آپ ہی کے بس کی چیز تھی، کہ دینہ سے بلا خوف و خطر اپنے لشکر کو ساتھ لے کر نکل پڑتے ہیں، پھر ذرا

اس پر بھی غور کیجئے، کہ آنحضرتؐ کے صحابہ میں سب سے زیادہ مقتدر اور
 مقرب بہتی پر عجب ہجانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کا بھی تصور کیجئے
 کہ قریش کے ذی عزت گھرانے کا ایک فرد اسلام کی خاطر طوق و سلاسل
 گلے میں کھینچے ہوئے پناہ کی خاطر آتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی
 مشاہدہ کیجئے، کہ آنحضرتؐ بغیر کوئی جیلہ بہانہ ڈھونڈھے، معاہدہ ابھی
 لکھا بھی نہیں گیا تھا، ہہیل سے فرماتے ہیں، کہ تم سچ کہتے ہو، پھر یہ شخص
 اپنے دشمنوں کی جانب آسویا ہاتے ہوئے راضی برضا سے الہی واپس
 لوٹ جاتا ہے۔

اگر کسی کو اس قسم کی مثال پیش کرنے کا دعویٰ ہے تو سامنے آئے
 اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حیرت انگیز واقعہ کو، جو عہد نامہ لکھنے سے
 قبل ہی سرزد ہوا تھا اور اس سلسلہ میں آپ کے ان نعمات کو، جنکو
 آپ نے ارشاد فرمایا تھا، تاریخ عالم کے صفحات ہی کو کھنکال کر پیش تو
 کر دے۔

دشمنوں کے ساتھ وفاداری کی اس سے بڑھ کر اور کونسی مثال
 ہو سکتی ہے، دین اسلام میں اس کی بڑی ہی اہمیت دی گئی ہے مسلمانوں
 اور مشرکین کے درمیان اگر کسی قسم کا معاہدہ ہو چکا ہے، تو اگر ایک
 مسلمان کسی مشرک کو قتل کر دے، تو مقتول کے رشتہ دار برابر اس
 سے دیت لینے کا حق رکھتے ہیں، اور جب مسلمانوں کا عہد و پیمان کسی
 قوم سے نہیں ہے، تو مسلمانوں کی طرف سے کوئی دیت آرا نہیں
 کی جائے گی۔

کوئی اجنبی قوم مسلمانوں سے عہد کر چکی ہے، تو اہل کے خلاف

کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان کی مدد نہیں کر سکتا، اسی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے۔

دین کے کام میں اگر وہ تم سے مدد مانگیں، تو تمہارا فرض ہے، کہ تم ان کی مدد کرو، مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جس کے اور تمہارا درمیان معاہدہ ہو چکا ہو۔

وان استنصروکم
فی الدین فعلیکم النصر
الا علی قوم بینکم و بینہم
میثاق۔

معاہدہ و پیمان کی شان و احترام کے متعلق یہ وہ حقائق ہیں، جو قیامت تک یادگار رہیں گے؛

وفاداری کا یہ مظاہرہ دشمنوں کے ساتھ عہد و پیمان کے سلسلہ میں تھا، لیکن دشمن کے ساتھ اس وفادارانہ سلوک کا بھی مشاہدہ کیجئے جو ایک جنگ میں مارا گیا تھا۔

مطعم بن عدی قریش کے اشراف و روساء میں سے تھا، جس وقت آنحضرتؐ طائف سے واپس تشریف لے آئے، جہاں ثقیف نے آپ کو بے صدا اذاریں پہنچانی تھیں، تو آپ نے مکہ کے بعض سرداروں کو بلایا اور امن و امان کے ساتھ زہدگی گزارنے کا ان سے عہد لینا چاہا، تو سبھوں نے انکار کر دیا، لیکن مطعم بن عدی آپ کی حمایت کے لئے تیار ہو گئے، جب جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا، جس میں قریش کے ساتھ بڑی گھمان کی لڑائی ہوئی۔ تو قریش کے صنادید اور بڑے بڑے سردار مارے گئے، جن میں مطعم بن عدی بھی شامل تھے، آنحضرتؐ کے شاعر حسان بن ثابت

نے "مطمع کی موت پر مرثیہ لکھا، جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"نہ میری آنکھ تو م کے سردار پر آنسو بہا، اگر
روتے روتے آنکھیں خشک ہو گئی ہیں، تو خون
کے آنسو بہا، اس بڑے شخص پر رو، جو لوگوں میں
بہت ہی نیک اور ہر دل عزیز تھا، زمانے کی تمام
بزرگی اگر کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو سکتی، تو اس کا
حق دار مطعم ہوتا، اس نے رسول اکرم کو پناہ دی
اگر سعد و قحطان اور جرحم کے باقی ماندہ اشخاص سے
اس کی عظمت و بزرگی کا حال پوچھا جائے، تو وہ یک
زبان ہو کر کہیں گے، یہ وہ وفادار ہے، جس نے
اس دن، جب کہ بھوں نے انکار کر دیا تھا، اپنے
ہمسایہ کو پناہ دی اور اس سے معاہدہ کیا، جب تک
آفتاب عالم تاب ان پر اپنی ضیاء پاشی کرتا رہیگا
تب تک یہ ان میں ذی عزت اور بلند مرتبہ
رہے گا۔"

حسان بن ثابت نے یہ مرثیہ مشرکین کے ایک ایسے شخص کی شان
میں کہا تھا، جو محمد اور آپ کے صحابہ سے جنگ کرنے کے دوران میں
مارا گیا تھا، آپ اس مرثیہ کو شوق سے سنتے اور مسلمانوں کو اس کا جواب
دیتے ہوئے خوشی کا اظہار فرماتے۔

کیا اس قسم کی وفاداری اور کشادہ دلی کی مثال تاریخ عالم میں کہیں
دست یاب ہو سکتی ہے؟ کیا آنحضرت انسانیت کی بلند چوٹی تک

ہیں پہنچ گئے تھے کہ آپ دشمن کی موت پر جو جنگ میں مارا جاتا ہے۔
 افسوس کرتے ہیں، مروث و وفاداری کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال
 نہیں ملتی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشرکین عرب کے ساتھ آپ نے کس نوع کی وفاداری
 کا ثبوت دیا، صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی، کہ ہر شخص کو پکارا
 اختیار دیا جائے، چاہے وہ محمد کے ساتھ عہد کرے خواہ قریش سے نزاع
 اپنی جماعت کے ساتھ آنحضرت کے معاہدہ میں شریک ہو گیا، جب قریش
 نے اپنا عہد توڑ دیا اور اپنے حلیفوں کے خلاف قبیلہ بکر کو مدد پہنچائی تو عربین عالم
 نزاعی اپنے معاہدہ کا مطالبہ کرنے کے لئے آنحضرت کے پاس آئے، اس
 وقت آپ مسجد میں رونق افروز تھے، یہاں پہنچ کر انہوں نے یہ اشعار پڑھے
 جن کا خلاصہ یہ ہے:-

” میں محمد اور آپ کے والد کی قسم کھا کر کہتا ہوں خدا
 تمہیں ہدایت دے، مدد کے لئے تیار ہو جاؤ، اور
 خدا کے بندوں کو مدد کی دعوت دو، تاکہ وہ ایسا
 لشکر جبار لے کر آئیں، جو سمندر کی طرح ٹھاٹھیں
 مار رہا ہو، کیونکہ قریش نے تم سے وعدہ خلافی کی اور
 تمہارے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا ہے۔“

آخر کار آنحضرت کو یہ سن کر فتح مکہ کے ساز و سامان کی تیاری میں عجلت
 سے کام لینا پڑا۔

دوستوں کے ساتھ آپ کی وعدہ و وفائی کس قسم کی تھی، اس کو بیان
 کرنے کے لئے دفتر بے پایاں کی ضرورت ہے، آپ بچپن سے لے کر اپنے

آخری سانس تک کے لمحات میں نیکی اور وفاداری کا مجسمہ تھے۔

عبداللہ بن ابوجہل صحابی کہتے ہیں: میں نے آنحضرتؐ سے ایک سو واکیا، اور کچھ دیر بعد اسی جگہ لٹنے کا وعدہ کر کے چلا گیا، پھر مجھے یاد نہیں رہا کہ لٹنے جانا ہے، تین دن کے بعد جب میں یہاں پہنچا، تو آپ اسی جگہ سے انتظار میں تھے، جب مجھے دیکھا، تو صرف اتنا ہی فرمایا، کہ تم نے تکلیف دی، میں تین دن سے اسی جگہ تمہارے انتظار میں ہوں۔ یہ واقعہ بہشت سے قبل زمانہ جاہلیت میں پیش آیا تھا۔

عائشہ فرماتی ہیں، کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک بڑھیا حاضر ہوئی آپ نے فرمایا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں مزنیہ سے ہوں آپ نے فرمایا تم حسانہ سے ہو؟ ہاں تو کیا حال ہے تمہارا، اچھی تو ہو؟ کیسے گزر رہا ہے؟ اس نے جواب دیا "سب خیریت ہے" جب وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! بڑھیا سے آپ کی پہچانت کب سے ہے؟ آپ نے فرمایا خدیجہ کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اس نے مجھ سے ایمان کا وعدہ کیا تھا۔

جنگ حنین کے بعد۔۔۔۔۔ جس میں آنحضرتؐ اگر ثابت قدمی اور استقلال سے کام نہ لیتے، تو قبیلہ ہوازن نے مسلمانوں کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔۔۔۔۔ ایک باغی وفد آپ کی خدمت میں اس مقصد کے لئے آیا تا کہ آپ سے قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرے، انہوں نے دیکھا کہ آپ کی رحمت و شفقت کو جوش میں لانے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ یہ جماعت اسلام کی سخت ترین دشمن تھی، انہیں بھی اپنی گزشتہ غلطیوں کا کافی احساس تھا، مگر آنحضرتؐ ہی کی وفاداری میں انہوں نے اپنی

جائے پناہ تلاش کی، یہ سوچ کر ان میں سے ایک نے کہا۔

اے محمد! بے شک آپ کو ہماری وجہ سے بہت مشکلات اٹھانی پڑیں

لیکن نعمان بن منذر یا عمارت بن ابی شمر غسانی سے باوجود اس طرح زک
برداشت کرنے کے، ان کے لطف و کرم کی امید تھی، کہ وہ ہم کو اپنے قیدی
واپس کر دیتے۔ آپ نے فرمایا میرے اور بنو عبدالمطلب کے پاس تمہارے
جو قیدی ہیں، ان کو تم لے جاسکتے ہو، وہ تمہارے ہی ہیں، ہمارے ہیں اور
انہار نے کہا، ہمارے ذمہ جو لوگ قید ہیں، وہ رسول اللہ کے ہیں،
الغرض اس طرح اشارے سے ہوا زن کے ایک ہزار قیدی رہا کر دیئے
گئے، یہ وہ وفاداری اور حسن رواداری ہے، جو مغرور، باغی اور سرکش
قوم کے ساتھ برتی گئی، کیا مشاہیر عالم کی زندگی میں اس قسم کی کوئی مثال
مل سکتی ہے؟

تاریخ عالم کو کھنگال کر دیکھو اور اس میں گزشتہ موجودہ لیڈروں
اور پیشواؤں کی زندگی کے واقعات و حالات کو جمع کرو اور پھر اس واقعے
ساتھ ان کا موازنہ کرو۔

آنحضرتؐ خفیہ طور پر مدینہ میں فتح مکہ کی تیاریوں میں مشغول تھے
یہاں تک کہ اس امر کو ابو بکر رضی عنہ و عائشہ رضی عنہا سے تک صیغہ راز میں رکھا تھا۔
جب آپ نے اپنے ارادہ کا اعلان فرمایا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش
کو فوراً ایک اطلاع نامہ لکھا اور اس کو ایک عورت کے ذریعہ روانہ کیا، وہ
اس خط کو اپنے سر کے بالوں میں چھپائے ہوئے جا رہی تھی، کہ آپ کو
اس کی خبر ہو گئی، آپ نے آدمی روانہ کیا، وہ راستہ میں گرفتار ہو کر آپ کے
پاس لائی گئی پورا ماجرا دریافت ہونے پر آپ نے حاطب سے اس

اقدام کا سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں مسلمان ہوں، میں نے اپنا دین ہرگز تبدیل نہیں کیا، لیکن چونکہ میں ایسا شخص ہوں، کہ قوم میں میرا کوئی رشتہ دار یا مددگار نہیں ہے، وہاں میرے بیوی بچے ہیں، اس لئے ان کے تحفظ کی خاطر میں نے یہ صورت اختیار کی؟ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا "یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں" آپ نے فرمایا اے عمر! تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کو درگزر اور معاف کر دیا ہے اور کہا ہے "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم" تم جو چاہتے ہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے" اس کے بعد یہ آیت نازل ہوتی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا
 اعداؤکم اولیاء تلقون
 اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں
 کو دوست نہ بناؤ، تاکہ تم ان کے ساتھ
 دوستی کا اظہار کرنے لگو۔

الیہم بالمودة۔

غور کرنے کا مقام ہے، کہ آنحضرتؐ کی اپنے صحابہ کے ساتھ وفاداری کا یہ عالم ہے، کہ جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کے دائرہ مغفرت میں طالب کو بھی شمار کرنے لگتے ہیں، جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور مرض شدت پکڑ گیا، تو منبر پر چڑھے ہوئے فرمایا "اے ہاجرین کی جماعت! انصاف کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کیا کرو، لوگ بڑھتے رہیں گے، لیکن انصار اپنی اصلی حالت پر قائم رہیں گے، یہی وہ میرے مددگار ہیں، جنہوں نے مجھے نبیاء دی تھی، ان کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے برتاؤ سے پیش آؤ اور ان کی خطاؤں

کو درگزر کرتے رہو؛

یہ وفاداری بھی ملاحظہ کے قابل ہے کہ آپ جنگ اُحد کے دن، جب کہ
مقتولوں کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا، فرماتے ہیں، دیکھو تو عمرو بن جموح اور عبداللہ بن عمرو
کہاں ہیں، یہ دونوں دنیا میں بڑے ہی فطرس اور باصفادوست تھے، ان کو ایک
ہی قبر میں دفن کر دو، یہ وہ حسن و قلم ہے، جس کی آج ہمیں سخت ضرورت ہے،
دنیا کا نظام اور کائنات کی زندگی اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی۔ جب
تک کہ لوگ وفاداری کا یہ سبق نہ سیکھ لیں اور آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کی یہی
ایمانی حرارت اپنے سینوں میں روشن نہ کر لیں۔

زہد و قناعت کا منارہ

دنیا کی زندگی پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص یہاں شاکی نظر آتا ہے، نہ تو مال دار، باوجود ہزاروں اور کروڑوں کا مالک ہونے کے، قناعت شعار ہے، اور نہ فقیر اپنی مایکفی معاش پر رضا مند ایک طرف وہ سرمایہ دار ہیں، جن کے ہاتھوں میں دولت کی باگ ہے، وہ اس کی اپنی نفسانی خواہشات میں جب چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں، دوسری طرف مزدور طبقہ کے دل میں حصول زر کی عجیب عجیب تمنائیں کر رہی ہیں، یعنی زہتی ہیں، روسا بھی اپنے سے کم رتبہ اشخاص کی بہ نسبت اہود و لغت اور خرافات میں کچھ کم نہیں، غرض کہ امیر و غریب سرمایہ دار و مزدور سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، انھوں نے زندگی کو عیش و عشرت کا

مشغلہ اور نفسانی شہوتوں کا مدعا سمجھ رکھا ہے۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہر خاندان بلکہ تمام عالم میں بہت سے ایسے افراد پائے جاتے ہیں جن کے اذہان و قلوب پر دولت کی ہوس مسلط ہے اور ان کے جذبات و احساسات درہم و دینار کی جھٹکار پر براہِ نگیختہ ہو جاتے ہیں، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دولت کے نشہ کے لئے قوموں کے درمیان سخت تصادم برپا ہو گیا اور سرمایہ داری ان کی زندگی کا نصب العین ہے، کیا یہ روزمرہ کا مشاہدہ نہیں کہ اس متاعِ ناپائے دار کے حصول کے لئے ایک قوم اپنی ہمسایہ قوم کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانے سے کبھی دریغ نہیں کرتی، ایک طبقہ دوسرے طبقہ کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے، کیا ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں کو کچھ دولت ہاتھ آگئی ہے، وہ اپنی نفسانی خواہشات اور مادی لذت میں کھو جاتے ہیں، اپنی ضروریات سے بڑھ کر مضبوط و مستحکم محلات تعمیر کرتے، باغ آراستہ کرتے اور شان دار سواریوں میں چلتے پھرتے ہیں اور دولت کے نشہ میں ایسے بدست اور مغرور کہ لوگ ان کو لالچ، حسد اور رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔

مختلف ملکوں، قوموں اور افراد کے درمیان کارگاہِ حیات میں نفسانی لذتوں اور مادی خواہشات پر جو نزاع اور اختلاف برپا ہو رہا ہے اس کی مثال ان کتوں کی طرح ہے، جو ہڈیوں کو دیکھ کر آپس میں جھگڑ بیٹھتے اور ایک دوسرے کو بھونکتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا، کہ انسان کے دل سے دولت کے اس نشہ کو کا نور کر دیں، جو انسانوں کو

گراہی اور ضلالت کی عمیق وادی میں ڈھکیل چکا ہے، اور ان کو راہ راست دکھلائیں، ان کے بدنی ہیجانات کو ایک معتدل طریقہ پر بحال کر دیں، اور ان کے دلوں میں روحانی زندگی کی حقیقی تمنا پیدا کر دیں۔

آنحضرت اکرمؐ کی ظہورِ قدسی کے وقت ساری دنیا اسی تباہ کن حالت کا شکار ہو چکی تھی، دولت و ثروت اور حسب و نسب ہی کو فضیلت اور تفوق کا سرشمیہ سمجھا جاتا تھا، پرہیزگاری، تقویٰ اور روحانی لذتوں کے تمام ذرائع کو خیر باد کہہ دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے آپ کو قناعت، پرہیزگاری اور دنیا کی بے ثباتی کی سچی تصویر پیش کر کے لوگوں کو فساد انگیز اثرات سے محفوظ کرنے کے لئے بہت کچھ جدوجہد سے کام لینا پڑا، آپ نے اپنی تعلیمات و ارشادات کے ذریعہ بیشتر پرہیزگار اور زراعت پیدا کئے، جنہوں نے اپنی زندگی میں روحانیت کو اصل اور مقصود بالذات قرار دیا اور مادی زندگی کو دوسرے درجہ میں رکھ کر اس کو آخروی زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ شمار کیا۔

آنحضرت اکرمؐ نے اپنی زندگی کے دوران میں اپنے فقر و غنا، اور زہد و قناعت کے بے شمار عملی جواہر پارے پیش کئے، گھائی میں اپنے اہل و عیال اور اصحاب کے ساتھ محاصرہ کے دوران میں مدینہ میں پناہ لینے کی حالت میں، اسی جگہ اسلامی سلطنت قائم کرنے کے زمانے میں تمام جزیرہ عرب کے خزانوں اور غلاموں کے مالک ہو جانے کے بعد بھی غرض کہ ہر حیثیت سے اور ہر شعبہ حیات میں اپنی مثالی تصویر کا ہر نقش مکمل طور پر اجاگر کر کے دکھایا، جو دوسخا اور بخشش و کرم کا یہ عالم تھا، کہ کوئی بادشاہ اس کی کیا تاب لاسکے گا، فقر و غربت کی یہ حالت کہ گھر آپ کا کھجور کی

پیتوں سے بنا ہوا، سترخوں پھوس کا، گھر میں ایک حیرت پری ہوئی غذا میں جلائی وئی
سرور کائنات کی کل کائنات بس اتنی ہی ایشیا تھیں۔

ابن مسعود فرماتے ہیں "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔
آپ حیر پر آرام فرما رہے تھے، آپ کے پہلوئے مبارک پر بوریہ کے نشانات
بیٹھ گئے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اجازت دیجئے کہ ہم آپ
کے لئے حیر پر بچھانے کا لحاف بنا دیں، تاکہ آپ اس کے کھر درے نشانات
محفوظ رہ سکیں، آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میری اور دنیا کی
مثال اس سوار کے مشابہ ہے، جو درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر آرام کرے
اور پھر وہاں سے چل دے؛

تو وہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
خدا جب اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا کے گورکھ دھندوں
سے محفوظ رکھتا ہے؛

بطل اعظم کی زندگی کی یہ زندہ مثالیں ہیں، جنہوں نے دنیا کی
ظلمت کے پردے چاک کر دیئے ہر طرف روشنی پھیلانی جب آپ کے
پیر و بکثرت ہو گئے، اور آپ کا دین جا بجا پھیل گیا، تو تمام کے دل کشادہ
ہو گئے اور انسانی نفس ظلمتوں اور تاریکیوں کو چیرتا ہوا بلند مرتبہ پر فائز ہو گیا
اس پر انوار ربانی اور تجلیات الہی کا ظہور ہوا اور ارواح عالیہ اس پر تلوڑ
اور برق تجلی سے فرزاد ہو گئیں اسلامی پہلا دور زہد و قناعت عدل و
مساوات، خوش گوار زندگی اور حسن معاشرت کا آئینہ اور اسلامی محاسن
و فضائل کا مجموعہ ہے، تاریخ عالم میں ہی وہ روح پرور اور نشا کا آفرین دور
کہلاتا ہے، جس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ چمکے ہوئے پکڑے

یہ لاکرتے تھے، اس کے باوجود قیصر و کسریٰ آپہنسے رشک و حسد کرتے تھے۔

یہ حضرت عمرؓ کا متاعِ زندگی تھی، آپ پوچھ لگے ہوئے کپڑے پہننے کے باوجود، عیش پرست اور سرکش طبقہ سے کم تھا، ہرگز نہیں، ایسی زندگی کی لذتیں کچھ الگ ہی نوع کی ہیں، جن میں حیوانیت کا ذرا بھی شائبہ نہیں، بلکہ ان میں انسانیت کا رنگ جھلکتا ہے، یہی وہ سرمایہٴ روحانیت ہے، جس نے وجدانی زندگی کی بلندیوں تک پہنچا دیا، یہ متاعِ روح اور مایہٴ حیات وہ ہے، جو نفسِ انسانی کے لئے موثر، بدن کے لئے موجبِ راحت اور وجودِ بشری کے لئے عنصری جز ہے، آنحضرتؐ کے زہد و قناعت کی یہ وہ یونیورسٹی ہے، جس کے فارغ التحصیل ملکوں اور حکومتوں کے گورنر اور حکام بالا دست بنے، اور روزانہ ایک درہم تنخواہ پر قناعت کرتے ہوئے اپنے ملک اور گورنری کے فرائض اور ذمہ داریوں کو اس خوش اسلوبی اور حسنِ رائے و تدبیر سے انجام دیا، کہ جس سے ان کا خدا خوش اور تمام لوگ خوش تھے

ابن ہشام زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید کو روزانہ ایک درہم تنخواہ پر ملکہ کا گورنر بنایا، تو انھوں نے لوگوں میں یہ خطبہ دیا:۔

”لوگو! خدا اس شخص کو بھوکا رکھے، جو ایک درہم لینے کے بعد بھی بھوکا رہا، مجھے چونکہ آنحضرتؐ نے روزانہ ایک درہم مقرر فرمایا ہے، اس لئے مجھے کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔“

کیا ایسا کوئی گورنر نظر آتا ہے، جس نے اپنی زندگی روزانہ ایک
درہم پر بسر کی ہو اور اس تنخواہ پر رضامند ہو؟ یہ وہ قناعت
کا سبق ہے، جس کو صحابہؓ نے اپنے معلم اکبر سے سیکھا۔

خود آنحضرتؐ کی ذات اس پر بہترین شاہد ہے، آپ ایک مرتبہ مسجد
سے باہر نکلے، راستہ میں ابو بکرؓ اور عمرؓ ملے، آپ نے باہر نکلنے کا سبب دریافت
فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ ہمیں بھوک نے بے تاب کر دیا ہے، اس لئے ہم
گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے، میں بھی بھوک ہی کی وجہ سے باہر آیا ہوں،
یہ کہہ کر آپ انہیں اپنے ساتھ ابو اطمین کے گھر لگئے، انہوں نے مکان میں بیٹی
پکالنے کا حکم دیا اور خود بکری ذبح کی، میٹھا پانی جو کھجور کے درخت پر سعلق تھا،
انہیں پلایا، پھر دسترخوان چنایا، سبھوں نے کھانا کھایا، اور میٹھا پانی پیا
اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا ”ہم سے قیامت کے دن آج کی اس نعمت
کے متعلق سوال کیا جائے گا“

نبی اکرمؐ اپنی اولاد سے بے حد محبت کیا کرتے تھے، آپ کی صاحبزادی
فاطمہؓ جب آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ اٹھ کر ان کو بوسہ دیتے اور اپنی
جگہ بٹھاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کی صاحبزادی غربت کی زندگی بسر
کرتی تھیں، چکی پیسنے کی مشقت برداشت کرتیں، کبھی تو ان کے ہاتھ پانی کی
مشکیں اٹھاتے اٹھاتے زخمی ہو جاتے تھے، ایک دن آنحضرتؐ سے آپ
نے قیدیوں میں سے ایک خادم طلب کیا، تو آپ نے انکار فرما دیا؛
مردی ہے کہ، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم خادم کی تمنا
اور خواہش مجھ سے کیوں کرتے ہو، حالانکہ اوہ اصحابِ صفہ فقرو فقرہ
میں بتلا ہیں؟ آپ ایک دن حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا

کہ ان کے ہاتھ میں سونے کا کنگن تھا، ایک عورت سے کہہ رہی تھیں کہ اس کنگن کو ابو الحسن نے ہدیہ دیا ہے، آنحضرت نے فرمایا: اے فاطمہؓ! کیا تجھے یہ پسند ہے، کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کا کرہا ہے؟ یہ کہہ کر آپ چلے گئے، حضرت فاطمہؓ نے اس کرہے کو فروخت کر دیا اور اسکی قیمت سے ایک غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا آنحضرتؐ کو جب اس کی اطلاع ملی، تو آپ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے، کہ اس نے فاطمہؓ کو دوزخ سے نجات دیا" زہد و قناعت کی یہ وہ تعلیم ہے، جس کو بطل اعظم نے اپنے گھر والوں، اپنے اصحاب اور دنیا والوں کے روبرو پیش کی، حضرت فاطمہؓ نے کنگن فروخت کیا اور اس کے بدلہ ایک غلام آزاد کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے نفسانی طمانیت اور وجدانی لذت و سرور حاصل کیا جو حصول سعادت میں اس سونے کے کنگن سے بدرجہا بہتر ہے، جس کو زیب گلہ کے ہوئے اپنی دوسری ہیلیوں کے سامنے بطور آرائش و نمائش پیش کیا جائے۔

امام بخاریؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے عروہ سے کہا: "اے میرے ہمیشہ زادے! ہم پر دو دو تین تین ماہ گزر جاتے تھے، لیکن آنحضرتؐ کے گھر میں آگ روشن نہیں ہوتی تھی، میں نے کہا خالہؓ! پھر تمہاری گزراؤ قات کیونکہ ہوتی تھی، عائشہؓ نے کہا کھجور اور پانی پر ہمارا گزر رہو جاتا تھا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے انصاری ہمراہ تھے، جن کے پاس دو دوھ دینے والی بکریاں تھیں، وہ رسول اللہ کو دو دوھ بھیج دیا کرتے تھے، جس نے ہم سیراب ہوا کرتے تھے،

آپ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، کہ کہیں سے آپ کے گھر سونا آیا، جب آپ نے اس سے آگاہی پائی، تو جلدی نماز پڑھی اور فوراً اپنے گھر گئے

اور فقیروں اور مسکینوں پر سونا تقسیم کر دیا، کیوں کہ آپ اس کو ناپسند سمجھتے تھے:

عقبہ بن حارث کہتے ہیں، ”ہم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور جلدی پڑھائی، پھر تیزی کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی، کہ باہر نکلے اور فرمایا، ”مجھے یاد آگیا، کہ میرے پاس تھوڑا سونا باقی رہ گیا ہے، مجھے حدیث ہو، کہ کہیں وہ پڑا نہ رہ جائے، اس لئے میں نے اس کو تقسیم کر دیا، الغرض لوگوں کے درمیان اس تیزی کے ساتھ سونا تقسیم کر دیا جاتا تھا، حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کا نقشہ اس طرح بیان فرماتی ہیں، ”آنحضرت اکرمؐ کے گھر والوں نے آپ کی زندگی بھر گھروں کی روتی متواتر تین دن تک پیٹ بھر نہیں کھائی، نیز مجھ کے گھرانے والوں نے ایک دن میں ایسے دو قسم کے کھانے نہ کھائے، جس میں سے کھجور کی قسم کی غذا نہ ہوتی ہو۔“

حضرت انسؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اللہ سے جتنا خوف کیا، اتنا کسی کو نہ ہوا، مجھے خدا کے راستہ میں جتنی ایذاؤں پہنچائی گئیں اتنی کسی نے برداشت نہیں کی، تین تین دن مجھ پر ایسے گزرے ہیں، کہ جن میں مجھے اور بلالؓ کو پیٹ بھر کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ملی۔
یہ تمام مثالیں آپ کے زہد و قناعت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں آپ کا ہر قول آپ کے عمل کا آئینہ ہوتا تھا، جو دنیا کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکتا ہے۔

جن اشخاص نے سیرت پاک کا بامعان نظر مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام اقوال و افعال ایک دوسرے کے

گمطابق اور ہم آہنگ تھے، آپ کو فقر و فاقہ سے آنا خوف نہ تھا، جتنا ثروت و دولت کی فراوانی سے، آپ خزانہ رکھنے کو اور سرمایہ داری کو نہایت ناپسند رکھتے اور فرماتے تھے، قرض ادا کرنے کی غرض کے علاوہ آپ نے اپنے گھر میں تین دینار کبھی نہیں جمع رکھے، اور یہ دعا کرتے تھے:

«اللہم اجعل رزق آل محمد کفافاً» پروردگار!

محمد کے گھر والوں کی روزی ضرورت کے مطابق بنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم رسول کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر ایک پیوندگی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے حاضر ہوئے، آنحضرت نے جب ان کو دیکھا، تو ان کی گزشتہ ناز و نعمت اور آرام و آسائش کی حالت کو یاد کر کے بے اختیار روئے، پھر صحابہ سے فرمایا، تمہاری اس وقت کیا حالت ہوگی جب کہ تم صبح میں ایک لباس اور شام میں ایک پوشاک تبدیل کرنے کے قابل ہو جاؤ؟ اور اپنے گھر پر ایسا غلاف چڑھانے لگو جیسا کہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا ہے؛ لوگوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! اس دن ہم موجودہ حالت سے بہتر حال میں ہوں گے اور خوب و کجی کے ساتھ عبادت میں مشغول رہیں گے؛ آپ نے فرمایا بلکہ تم اس دن کی بہ نسبت آج بہتر حالت میں ہو۔

بنی اکرم، فقر و کی صحبت میں بیٹھنے کو پسند فرماتے تھے تاکہ ان کے دل سے آسائش و نعمت اور زیب و زینت کے دل فریب تخیل و آرزو کو بچھا دیں، عون بن عبد اللہ بن عبیدہ کہتے ہیں، میں مال داروں کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا، اس کے باوجود میں جس قدر متفکر اور غم زدہ تھا، شاید ہی کوئی اور ہوگا، میں اپنی سواری سے بہتر اوروں کی سواری اور اپنے کپڑوں سے نفیس اوروں کے کپڑے دیکھا کرتا تھا، لیکن جب میں نے آنحضرت کو

یہ فرماتے ہوئے سنا، کہ جب تم خود کو تمام مخلوق میں افضل دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے سے کم مرتبہ اور پست درجہ شخص کو دیکھو، تاکہ تم خدا کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کر سکو۔ عبداللہ کہتے ہیں میں نے اس کے بعد سے فقیروں کی صحبت اختیار کر لی تو مجھے سکون اور آرام نصیب ہوا!

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ کی نظر میں فقر و غنا کے درمیان تفریق اور حد فاصل کیا ہے؟ ان دونوں کا کیا معیار ہے؟ ہم اس شبہ کے ازالہ کے لئے وہ آثار و شواہد پیش کرتے ہیں، جو حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص اپنی جماعت میں امن و سکون سے زندگی بسر کرے، صحیح و تندرست ہو، اس کے پاس ایک دن کی خوراک بھی ہو، تو بس گویا اس نے دنیا حاصل کر لی۔

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ انسان کو ان اشیاء کے علاوہ اور کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی، رہنے کے لئے گھر، بدن ڈھانپنے کے لئے کپڑا، کھانے خشک روٹی اور پینے کے لئے پانی۔

ایک شخص نے عمرو بن عاص سے پوچھا، کیا ہم فقراء و ہاجرین میں سے نہیں ہیں، انھوں نے کہا کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تجھے رہنے کے لئے گھر ہے، کہا ہاں، انھوں نے کہا تب تو تو اغنیاء میں سے ہے، پھر اس نے کہا میرے پاس خادم بھی ہے، یہ سن کر انھوں نے کہا پھر تو تو بادشاہ ہے!

آنحضرتؐ کے اصحاب نے آپ سے دریافت کیا، سوال نہ کرنے کے لئے کتنے مال کی ضرورت ہے، آپ نے جواب دیا، جس کے پاس صبح یا شام

کا کھانا زہ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ دست سوال دراز کرنے کو نہایت ہی ناپسند سمجھتے تھے، اور فرماتے اگر تم پر سوال کی حقیقت روشن ہو جائے، تو کوئی شخص بھی سوال کرنے کی جرات نہ کرے، آپؐ بالخصوص انصار کو سوال کی ذلت برداشت کرنے سے ہمیشہ باز رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے آپؐ کے سامنے دست سوال دراز کیا، آپؐ نے فرمایا تیرے گھر میں کوئی چیز ہے، اس نے کہا ہاں ایک چادر ہے جس کا ایک حصہ اوڑھتا اور ایک حصہ بچھالیتا ہوں، نیز ایک برتن بھی ہے، جس میں پانی پیتا ہوں، آپؐ نے فرمایا یہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ وہ شخص انھیں آپؐ کے پاس لے آیا۔ آپؐ نے ان کو اپنے ہاتھ میں اٹھالیا اور فرمایا ان کو کون خریدے گا؟ ایک صحابی نے کہا میں ان کو ایک درہم میں خرید سکتا ہوں رسول اللہؐ نے فرمایا کیا کوئی ایک درہم اور زیادہ کرنے والا ہے؟ اسی طرح آپؐ نے یہ جملہ دو یا تین مرتبہ دہرایا، تو ایک شخص نے کہا میں ان کو دو درہم میں لوں گا، آپؐ نے اسے دو درہم پردے دیا، اس کے بعد وہ درہم انصاری کو دیتے ہوئے فرمایا، ایک درہم سے اپنے گھر کے لئے کھانا خریدے اور دوسرے درہم سے ایک کھانڈی خرید کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ اس شخص نے تعمیل کی اور کھانڈی آپؐ کے پاس لے کر حاضر ہو گیا، آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا اور فرمایا جنگل میں جا اور لکڑیاں کاٹ کر بازار میں لا کر بیچ، پھر پندرہ دن کے بعد میرے پاس چلے آنا، اس نے ایسا ہی کیا، پندرہ دن بعد دس درہم کما لیا اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا چند درہم کے کپڑے خرید اور باقی رقم سے غلہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا یہ کام تیرے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے، کہ تیرا چہرہ قیامت کے دن سوال سے داغ دار ہو۔

بطل اعظم انسانی اخلاق و مروت کا نمونہ تھے، لطافت اور پاکیزگی کے دل وادہ، فخر و تکبر اور زیب و نمائش کی چیزوں سے متنفر تھے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ریشم کو دائیں طرف کیا اور سونے کو بائیں جانب اور فرمانے لگے یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔
ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک ریشمی رنگین کپڑا دیکھا، جو فروخت کی غرض سے پیش کیا گیا تھا، آپ اس کو رسول اللہ ص کے پاس لے گئے اور کہا یا رسول اللہ! آپ اسے خرید لیجئے اور عید کے موقع پر اور مجلس و نمود میں زیب تن فرمائیے، آپ نے فرمایا یہ لباس اس شخص کے لئے سزاوار ہے، جس کا قیامت میں کوئی حصہ نہیں۔

عرب کے سردار اور جزیرہ عرب کے بادشاہ کی جو دو سخا کا یہ عالم تھا کہ مال کی درآمد سے مسجد کا صحن بھر جاتا تھا، آپ لوگوں کو سارا مال تقسیم کر دیتے، جب گھر تشریف لے جاتے، تو کھجور کے درخت کے پھوس بھرے ہوئے بستر پر آرام فرماتے، عائشہؓ کہتی ہیں، کہ آپ کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں پھوس بھرا ہوا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ ص کے پاس ایک ہی چھیر تھی، جس کو رات کے وقت تہ کرتے اور اس پر نماز پڑھتے، دن میں اس کو کھول دیتے اور اس پر اجلاس فرماتے، آپ کھانے میں بہت محتاط اور قناعت پسند واقع ہوئے تھے، فرماتے تھے، انہاں کے لئے چند لقمے کافی ہیں تاکہ ان سے اس کی آنتیں سیدھی ہو جائیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، میں نے آپ کو میدہ کی روٹی کھلتے ہوئے

کبھی کہیں دیکھا، مجھے اس کا بھی علم نہیں، کہ آپ نے کبھی دسترخوان پر بیٹھ کر کھایا ہو؟

”پہل بن سعد سے کسی نے پوچھا کیا بنی اکرم رضی نے کبھی چھنے ہوئے خالص آٹے کی روٹی کھائی؟ انھوں نے کہا کسی نے آپ کو بعثت سے لے کر وفات تک ایسی روٹی کھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔“

اس قسم کے زہد و قناعت کے تصور سے آنحضرتؐ کا مقصد نہ تو مال کو ایک بیچار چیز ثابت کرنا تھا اور نہ اس زہد و زینت کو حرام قرار دینا تھا جو اپنے حدود میں حلال کی گئی، آپ نے بذات خود زہد کے بلوغ معنی سمجھائے کہ دنیا میں زہد حلال کو حرام کرنے اور مال کو ضائع کر دینے کا نام نہیں ہے، لیکن زہد کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ تم کو اللہ نے جب مال و دولت سے نوازا ہے تو تمہیں چاہیے کہ اس کو دیکھ بھا لکر خرچ کریں، جب کبھی تم پر کوئی ناگہانی آفت و مصیبت نازل ہو جائے، تو تم ایسے مواقع پر صبر و استقلال سے کام لو، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے بلوغ اشارہ فرمایا۔

”لَيْكِلَا تَأْسُو عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ“

اس لئے کہ نہ تو تم فوٹ شدہ چیز پر افسوس کرنے لگ جاؤ اور اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت پر خوشی میں پھولے نہ ساؤ۔

آنحضرتؐ پاکیزگی، صفائی اور خوش وضعی کو بے حد پسند فرماتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

عطاء بن یسار روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں اس ہئیت سے حاضر ہوا، کہ اس کے بال پراگندہ دائرہ منتشر اور بد وضع ہو گئی تھی آپ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا، گویا آپ

اس کے بال کٹوانے کا حکم فرما رہے تھے، چنانچہ اس کی اصلاح سلیقے کے ساتھ کرائی گئی، جب وہ آپ کے پاس لایا گیا، تو آپ نے فرمایا کیا یہ حالت اس شخص کی بہ نسبت بہتر نہیں، جو پریشان و پراگندہ بال آئے اور شیطان کی طرح بدوہا معلوم ہوا۔

آپ نے ایک آدمی کو اس وضع میں دیکھا، کہ اس کے کپڑے میلے اور گندہ تھے، فرمایا کیا یہ شخص اپنے کپڑے دھونے کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔

عقبہ کی صاحبزادی ہندہ آپ کے پاس بیعت کی غرض سے آئی، آپ نے فرمایا جب تک تو اپنے دونوں ہاتھ تبدیل نہ کر دے گی میں تجھ سے بیعت نہ لوں گا، ناخنوں کے بڑھ جانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ درندہ نما پنجوں کی شکل اختیار کر چکے تھے، آپ کے اس طرح کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ہاتھوں کو ناخنوں سے صاف کر کے ان پر ہندی لگا دی جائے۔

آنحضرت اکرم ﷺ فرماتے تھے اللہ تعالیٰ پاک اور نفیس ہے، خوش بو سے محبت رکھتا ہے، صاف و لطیف ہے، صفائی اور پاکیزگی کو دوست رکھتا ہے، سخی ہے، سخاوت پیشہ کو عزیز رکھتا ہے، بخشش و کرم والا ہے، لطف و کرم سے اُسے پیار ہے، تم بھی اپنے مکانوں اور صحنوں کو پاک صاف رکھو، اور یہودیوں کی سی مشابہت اختیار نہ کرو۔

آنحضرت ﷺ اپنے زہد و قناعت کی دنیا میں کبر و غرور، فضول خرچی اور نمائش و آرائش کو ناپسند سمجھتے تھے، مسلمانوں کا بھی فرض ہے، کہ وہ قناعت شعار ہوں، بخشش و کرم کے دلدادہ اور نفاست پسندی و صفائی کے خوگر بن جائیں۔

بعل اعظم کا زہد و قناعت دنیا کے لئے ایکہ آئینہ ہے، جس میں آپ کی زندگی کے اصلی خط و خال نگاہوں کے روبرو آجاتے ہیں، جن کو دیکھ کر آسانی یہ سبق حاصل کیا جاسکتا ہے، کہ ایک شخص کو خوش گو اور زندگی بسر کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے! آنحضرتؐ اپنے روبرو بوریہ پر نوے ہزار درہم دھری ہوئے پاتے ہیں اور تمام کو تقسیم کر دیتے ہیں، اس کے بعد اسی بوریہ پر آرام فرماتے ہیں، جس کے نشانات آپ کے پہلو پر نمودار ہونے لگتے ہیں، یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ آپ کو ایک لحاف بنا دینے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں تو آپ قطعی انکار کر دیتے اور فرماتے ہیں، میری اور دنیا کی مثال اس مسافر کے مشابہ ہے، جو ایک درخت کے سایہ میں آرام کیا اور پھر وہاں سے اپنا راستہ لیا۔

جب آپ مرض الموت میں مبتلا تھے، آپ سے کسی نے کہا، کہ آپ کے گھر میں رات اشرفیاں دھری ہیں تو آپ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا، کہ وہ سب خیرات کر دی جائیں، سب لوگ آپ کی عیادت میں مشغول ہو گئے اور اشرفیوں کو خیرات کرنے کا خیال ذہن سے نکل گیا، وفات سے کچھ دیر پہلے جب آپ کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ سے ان سات دینار کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے جواب دیا، وہ ابھی تک انھیں کے پاس ہیں، آپ نے ان کو طلب کیا اور اپنے ہاتھ میں رکھ کر فرمایا، ”محمدؐ اس وقت اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا، جبکہ وہ خدا کے سامنے جائیگا اور یہ اشرفیاں اس کے ساتھ ہوں گی“ یہ کہہ کر آپ نے ان کو فقرا میں بانٹ دیا، جب آپ وفات پائے، تو آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر اور ایک موٹا پاجامہ تھا، یہی آپ کا لباس تھا، لیکن آپ کے دنیا میں ایک ایسا زوریا دنگار چھوڑا،

جو زہد و قناعت کی پیشانی پر چمکتا رہے گا، اور انسانوں کو روحانی زندگی کی لذتوں سے مالا مال کرتے ہوئے، ان کو براہ راست کی طرف رہنمائی کرتا رہے گا، ان کے جذبات کو جسمانی ناپائے دار لذتوں اور بے ثبات آرائشوں سے موڑ کر ابدی اور سرمدی حیات کی جانب مائل کر دے، آنحضرتؐ کا زہد و قناعت دنیا کے تمام بہادروں اور زاہدوں کے لئے نمونہ ہوگا، گو اکثر و بیشتر افراد آپ کی جیسی قناعت اور زہد و فضیلت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ کے رقبہ اور درجہ تک پہنچنا ان کی رسائی نہ ہو سکیگی۔ البتہ اس میں سے کچھ حصہ ان کو نصیب ہوگا؛

برو باری کا زندہ مجسمہ

تواضع اور برو باری آنحضرتؐ کی ایسی روشن ترین صفت ہے جو آپ کے نفس قدسی میں باوصفِ مرورِ زمانہ کے درخشاں نظر آئے گی درحقیقت آپ انسان کی عظمت و صداقت کا لطیف پیکر تھے، جس میں آپ کے اخلاقی و فدائیت کا ایسا رنگ جھلکتا ہے، جو ریاضتِ کاری، تصنع اور بناوٹ کے مظاہرے پاک ہے۔

آنحضرتؐ انسانِ کامل کی جیتی جاگتی تصویر اور برو باری کا زندہ مجسمہ تھے، برو باری کے جذبات آپ کے دل کی گہرائیوں سے ابھرتے تھے، آپ شاہانہ شان و شوکت کے انداز اور ریاضتِ کارانہ آرائش و زیبائش کے مظاہرے کو نوں دور تھے، آپ کے کردار و گفتار میں اور قول و

میں مکر و فریب کی ذرا بھی آیلٹش نہ ہوتی تھی، آپ کی برو باری اور تواضع کا یہ عالم تھا، کہ آپ بغیر تکلف و تصنع کے، اپنے دور و قریب کے لوگوں، دوستوں اور دشمنوں، گھر والوں اور شاہی سفیروں غرض کہ ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی سے ملاقات فرماتے تھے۔

آپ جیسا حسن صورت تھے، ویسا ہی حسن سیرت بھی تھے، آپ کے تمام کردار و حرکات فطری تھے، جو آپ کے اخلاق کا آئینہ دار تھے، جس زمانے میں مسلمانوں نے مالک فتح کئے، عدی بن حاتم طائی اپنا ملک چھوڑ کر روم کی طرف بھاگ نکلے تھے، اس کے بعد ملک شام آئے اور یہاں سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ اپنا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ مجھے شاہ مدینہ سے ملنے کی آرزو تھی، میں آنحضرتؐ کے پاس آیا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا، آپ نے فرمایا تم کون ہو، میں نے کہا عدی بن حاتم، آپ اٹھے اور مجھے اپنے ساتھ لیکر اپنے گھر کا رخ کیا، راستہ میں ایک بڑھیالی، اس نے اپنی کچھ ضروری گفتگو کی وجہ سے آپ کو بہت دیر تک ٹھہرایا، میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ بادشاہ تو نہیں معلوم ہوتے پھر رسول اللہؐ مجھے گھر لے گئے، ایک چمڑے کا کیتہ، جس میں کھجور کی پھوس بھری ہوئی تھی، میری طرف سرکاتے ہوئے فرمایا، اس پر بیٹھ جاؤ، میں نے کہا پہلے آپ تشریف رکھئے، مگر یہ آپ کے سزاوار ہے، آپ نے اصرار کیا، میں اس پر بیٹھ گیا، اور خود حضورؐ زمین پر بیٹھ گئے، میں نے اپنے دل میں کہا یہ تو بادشاہ کی شان نہیں ہے، اس کے بعد آپ نے فرمایا تم زکوٰۃ دے دیا، (رکوسی) نصرانیہ و صائبیہ کے مابین ایک دینی فرقہ) نہیں ہو؟ میں نے جواب دیا بے شک آپ نے فرمایا کیا تم اپنی قوم میں غنیمت کا مال لے ہوئے نہیں

جا رہے ہو، میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے دین میں جائز نہیں ہے،
 مجھے محسوس ہو گیا کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، آپ کو خفیہ امور کا علم ہے،
 اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا شاید تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے
 یہ امر مانع ہو، کہ اس میں اکثر مفلس و محتاج شامل ہیں، خدا کی قسم عن قریب وہ
 زمانہ آنے والا ہے کہ دولت کا سیلاب چاروں طرف سے ایسا اُمنڈ پڑے گا،
 کہ اس کو لینے والا تک کوئی نہ ملے گا، شاید تمہیں اسلام لانے سے یہ احتمال ہو،
 کہ اُس میں مسلمانوں کے دشمن زیادہ ہیں، اور مسلمانوں کے پاس ساز و سامان
 اور آلات و اسلحہ کی کمی ہے، بخدا بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے، اور تم
 سن لو گے کہ ایک عورت جنگ قادسیہ میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر بلا خوف
 و خطر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے گی، اور غالباً یہ امر بھی تمہیں باز رکھنے
 پر آمادہ کر رہا ہو کہ ان میں بادشاہ اور سلطان کوئی نہیں ہے، عن قریب وہ
 دور آنے گا اور تم سنو گے کہ ارض بابل کے تمام محل فتح کر لئے جائیں گے، عدی
 کہتے ہیں کہ آنحضرت کی اس تقریر نے میرے دل پر بہت اثر کیا، اور میں نے
 اسلام قبول کر لیا۔

عدی نے اپنی زندگی ہی میں مشاہدہ کر لیا کہ، قادسیہ اور بابل کے قسرو
 کاخ غریبوں نے فتح کر لئے،

آنحضرتؐ کے حسن سلوک اور بلند اخلاق کی یہ مثال ہے کہ ادھر

عدی کا قبیلہ قیدی ہے، ادھر عدی قیدی بن کر آپ کے پاس آتے ہیں، آپ
 انہیں اپنے خاص تکیہ پر بٹھاتے ہیں، اور خود زمین پر بیٹھ جاتے اور بے تکلف
 ان سے گزشتہ و آئندہ معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں۔

آپ کے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات کے بعد سورج گرہن ہو گیا، تو

لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت سے ایسا ہو گیا ہے، یہ سن کر آپ مسجد میں منبر پر کھڑے ہوئے فرماتے ہیں ”چاند اور سورج خدا کی دو نشانیاں ہیں، کسی کی زندگی یا موت کی وجہ سے ان کو گرہن نہیں لگتا، جب تم یہ گرہن دیکھو تو نماز پڑھو اور صدقہ و خیرات دو“

آپ کا یہ وہ پاکیزہ دل ہے، جو عشق حقیقی کے نشہ سے لبریز ہے، لوگوں کے شکوک و شبہات اور بان کے توہم پر تاشہ خیالات کو کس تو واضح پسند انداز اور دلکش پیرائی میں دور کرتے ہیں۔

جابر بن عبد اللہ کا واقعہ آپ کی تو واضح پسندی کو ثابت کرنے کے لئے بین دلیل ہے، وہ خود اپنا ماجرا اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا، جو مجھے بطور قرض کھجور دیا کرتا تھا، اتفاقاً ایک موسم ایسا آیا کہ درختوں پر کھجور نہیں لگے، یہودی میرے پاس اپنے کھجوروں کا مطالبہ کرنے کے لئے آیا، میں نے دیکھا کہ میرے پاس بھی کھجور نہیں ہیں، میں نے اس سے ایک سال کی اور ہلت چاہی اس نے انکار کر دیا، آنحضرتؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا۔ ذرا چلو ہم یہودی سے جابر کے لئے ہلت طلب کر لیں، یہ تمام میرے بلغ میں آئے، آپ نے یہودی سے گفتگو شروع کی، وہ کہنے لگا، اے ابوالقاسم! میں کسی صورت میں بھی ہلت نہیں دے سکتا، آپ وہاں سے لٹھے اور بلغ کا طوائف کیا پھر یہودی سے اس معاملہ میں گفتگو کی وہ اپنی ہی رائے پر اڑا ہوا تھا۔ اس مرتبہ بھی انکار کر دیا، اتنے میں میں نے تھوڑے تر کھجور آپ کے سامنے لا کر رکھ دیئے آپ نے انھیں کھایا اور فرمایا تیرا جھوٹا کدھر ہے جابر! میں نے اشارہ کیا، آپ نے اس میں بستر ڈالنے کا حکم دیا، میں نے بستر بچھا دیا، آپ نے

کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر بیدار ہوئے، دوبارہ کچھ کھجور آپ کے پاس میں نے
 حاضر کئے، آپ نے انھیں کھایا، پھر اٹھ کھڑے اور یہودی سے اس معاملہ میں
 کلام فرمایا۔ اس نے اس مرتبہ بھی انکار کر دیا، آپ نے فرمایا اے جابر، جا
 کھجور دختوں پر سے اتار لے اور اپنا قرض ادا کر لے، حضرت جابر فرماتے
 ہیں، کہ خدا نے ان کھجوروں میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ جس سے قرض بھی
 پورا ہو گیا اور بہت سے کھجور بیچ رہے۔

یہودی اور جابر کے مابین آپ کی یہ محاکات اور مکالمہ تو واضح و بردبار
 اور کھانے اور سونے کے انداز کی کیفیت کو پیش کرتا ہے، انتہا میں جب آپ
 یہودی سے یلوس ہو گئے، تب قرض کی ادائیگی کا حکم فرمایا۔
 ذیل کی اشغال و واقعات سے معلوم ہوگا، کہ آپ اپنے اصحاب کے
 گھر بھی جاتے، تو ان سے نس طرح اجازت چاہتے تھے؛

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
 لہنے کے لئے ہمارے گھر تشریف لائے، اور فرمایا۔ السلام علیکم ورحمت اللہ
 میرے باپ نے سلام کا جواب آہستہ سے دیا، میں نے اپنے باپ سے
 کہا کیا رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت نہ دیں گے؟ جواب دیا ابھی
 نہیں، آپ کے بکثرت سلام لینے کے بعد پھر آپ نے فرمایا السلام علیکم ورحمت اللہ
 اس کے بعد آپ لوٹ گئے، سعد آپ کے پیچھے دوڑے ہوئے گئے اور کہا
 یا رسول اللہ میں آپ کا سلام سن رہا تھا اور آہستہ سے اس کا جواب دے رہا
 تھا اور اس انتظار میں تھا کہ آپ کے زیادہ سے زیادہ سلام قبول کرتا رہوں،
 آنحضرت پھر ان کے ساتھ واپس تشریف لے آئے، سعد نے آپ سے
 غسل فرمانے کی درخواست کی، آپ نے غسل فرمایا، پھر زعفرانی رنگ کی

چادر پیش کی گئی آپ نے اُسے اوڑھ لیا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی
 اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على آل سعد اشد
 تو اپنی رحمت اور سلامتی اولاد سعد پر بھیج) جب آپ نے واپس ہوئے گا ارادہ فرمایا
 تو سعد نے ایک فخر حاضر کیا اور قیس سے کہا اے قیس! آنحضرت ص کے ساتھ جا
 چنانچہ میں آپ کے ساتھ ہو لیا، آپ نے فرمایا میرے ساتھ سوار ہو جا میں نے
 انکار کیا تو فرمایا 'یا تو تو سوار ہو جا یا واپس چلا جا' میں وہاں سے لوٹ گیا!

یہ واقعہ ہے عرب و عجم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مدینہ
 کے ایک معزز انصاری سے، جس میں آپ بغیر اطلاع کے ان کے گھر پیدل
 تشریف لے جاتے ہیں اور واپس چلنے میں فخر پر سوار ہو کر آتے ہیں اور ارادہ فرماتے
 ہیں، کہ میرا بن ساتھ ہی کو بھی پیچھے سوار کر لیں۔

آپ کی یہ وہ پاکیزہ روش تھی، جس کو دیکھ کر پوری دنیا آپ کی گرویدہ
 ہو گئی، اور آپ جس مقصد کو سنے کر دنیا میں تشریف لائے تھے وہ قریب قریب
 پورا ہو رہا تھا، اگر کسی کو یہ خیال گزرے، کہ شاہانہ طور طریق اور شان و شوکت
 کے مظاہر حسن اطاعت و اتحاد کے لئے ضروری ہیں، تو آنحضرت ص کی سعد
 اور انصاری سے دوستی و رواداری کا واقعہ دعوتِ اسلامیہ کی تاریخ میں زربینِ حروف
 سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

اگر آپ نے قیس کو فخر پر سوار کر لینا چاہا تو کوئی تعجب کی چیز نہیں، کیونکہ
 آپ کی یہ ہمیشہ کی عادت تھی، کہ آپ اپنے رفقاء کو فخر اور اونٹنی کے پیچھے سوار
 فرماتے اور باری باری سوار کر دیتے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، تو بنو عبدالمطلب نے آپ کا استقبال کیا
 آپ نے لڑکوں میں سے اپنے پیچھے اور سارے ایک ایک کو سوار فرمایا،

یہاں کہتے ہیں، کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ کے چہرے کے پیچھے سوار تھا، ایک آدمی آپ کے پاس پیدل آ رہا تھا، اس کے ساتھ چہرہ بھی تھا، اس نے آپ سے کہا آپ اس پر سوار ہو جائیے یہ کہہ کر خود چہرہ کے پیچھے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا یہ جانور تیرا ہے، تو اس پر سامنے بیٹھنے کا حق دار ہے، جب تک کہ تو میرے لئے اسے مختص نہ کر دے، اس نے کہا میں نے آپ کے لئے اسے خاص کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ اپنی سواری پیچھے کر لیتے اور کمزور سواری کو آگے کر کے اپنے ساتھ کر لیتے پھر ان کے لئے دعائے خیر فرماتے، آپ کو تکبر اور متعجبی یعنی خرام ناز سے چلنا نہایت ناپسند تھا، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے، جس کے دل میں تکبر کا ذرا بھی شائبہ ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ایک شخص نے کہا کوئی شخص اچھی پوشاکیں پہنے تب بھی، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو دوست رکھتا ہے کبریائی تو حق تعالیٰ ہی کے سزاوار ہے۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ تو میں بازر ہیں، جو اپنے گزرے ہوئے باپ دادا پر فخر کیا کرتی ہیں، خدا تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے فخر و غرور کو زائل کر دیا ہے، پرہیزگار مومن سے بدکار گنہگار ہے، تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے اور تکبر و بنا سے کس قدر برہم تھے، اگر باپ دادا پر فخر کرنے میں لوگوں کو کچھ امتیاز و فوقیت حاصل ہو سکتی، تو تمام جزیرہ عرب میں محمد بن عبد اللہ کے سوا، فخر کرنا اور کون مستحق ہو سکتا تھا، لیکن آپ نے حسب ذنب اور جاہ و مرتبہ کا امتیاز اٹھا دیا مسادات اور اخوت کا درس دیا، اور فرمایا: ان اکرمکم عند اللہ

اتفاقاً کہ بے شک اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ بہتر وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ اگر کسی کو فضیلت ہے، تو عمل صالح اور نیک کردار ہی کی بدولت؛ ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے ساتھ سفر میں تھے، بسحوں نے کھانا تیار کرنے کا ارادہ کیا، آپس میں کام کی تقسیم کر لی۔ آپ نے لکڑیاں جمع کرنا شروع کیں، آپ کے اصحاب نے چاہا کہ خود جمع کریں، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا خدا کو یہ چیز ناپسند ہے، کہ کوئی شخص اپنے ساتھیوں سے ممتاز رہے۔

ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو وہ خوف سے لرز رہا تھا آپ کے اس کو اس طرح خوف کھانے سے منع کیا اور فرمایا، کہ آپ قریش کی ایک اس عورت کے بیٹے ہیں، جو بھونا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی؛ آپ عصائی کے ہوئے اپنے صحابہ کی مجلس میں داخل ہوئے، تمام آپ کی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، آپ نے فرمایا تم عجمیوں کی طرح ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے نہ اٹھو، اسی طرح آپ ہاتھوں کو بوسہ دینے سے منع فرماتے تھے اور اس کو عجمیوں کا تشبہ تصور کرتے تھے۔

آنحضرتؐ بڑے بڑے القاب سے یاد کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے۔ بنو عامر کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا آپ ہمارے سردار اور آقا ہیں، آپ نے فرمایا آقا تو اللہ ہی ہے، انھوں نے کہا آپ فضیلت و بزرگی میں ہم سے بڑھ کر ہیں، آپ نے فرمایا تمہارے اس قول کے لئے شیطان تم کو نہ ابھارے۔

ابوبکرؓ فرماتے ہیں، کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کے روبرو کسی کی تعریف کی، آپ نے فرمایا افسوس تجھ پر، تو نے اپنے ساتھی کی گردن پر چھری

چلا دی، یعنی تعریف و توصیف سے تو نے اس کو ہلاک کر دیا، کیونکہ اس سے اس میں
 فخر و غرور کا جذبہ پیدا ہو گا جو اس کی ہلاکت کا موجب ہو گا، گویا یہ اس کا قاتل ہوا،
 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم
 دیا ہے، کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دیں۔

آنحضرتؐ بمنزرت و خرام، کبر و ناز، مبالغہ آمیز گفتگو اور بغویات سے
 لوگوں کے دل مائل کرنے کو نہایت مذموم سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے، میرے
 نزدیک تم سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ شخص ہے
 جو بہترین اخلاق و صفات سے آراستہ ہو، اور میرے پاس نہایت برے
 اور قیامت کے دن مجھ سے دور تر وہ لوگ ہیں، جو تکبر و سرکشی کرتے، تکلف
 و تصنع کی باتیں بناتے اور منہ بنا بنا کر ناز و انداز سے گفتگو کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک یہ چیز نہایت بری تھی، کہ خطیب اپنی فصاحت
 کے زور سے لوگوں کے دل و دلغ پر مستولی ہو جائے اور ان کے جذبات کو
 اپنے قابو میں کر لے۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے، کہ جو شخص اس غرض کے تحت علم سیکھے، کہ
 اس کے ذریعہ عوام کے دل مسخر کر لے، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی
 کوئی داد خواہی نہ کرے گا،

آپ فرمایا کرتے تھے، طنز یہ گفتگو کرنے والے اور طعنہ دینے والے
 ہلاک ہو گئے، الغرض آپ کو ناشائستہ گفتگو اور غیر مہذب حرکات سے ہمیشہ
 نفرت اس لئے تھی، کہ آپ کی تواضع پسند اور بر و بار طبیعت ریاکاری اور
 تصنع پرور مظاہر سے بالکل ملحدہ تھی۔

آپ کی بردباری میں تواضع کا پہلو غالب تھا، آپ ادب و احترام

کے مجسمہ اور تواضع و انکسار کے پیکر تھے، لوگوں کو آپ پہلے سلام کرتے، پھر چھوٹے
 بڑے سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے، جب کسی سے مصافحہ کرتے تو تا وقتیکہ
 دوسرا شخص خود ہی ہاتھ نہیں چھوڑتا آپ تھامے رہتے، جب صدقہ دیتے تو
 صدقہ کو اپنے ہاتھ سے مسکین کے ہاتھوں میں رکھتے، آپ اپنے صحابہ کی
 مجلس میں جلوہ فرما ہوتے، تو مجلس جہاں ختم ہوتی، وہیں بیٹھ جاتے اپنا کام
 خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے، کسی پر سختی نہ کرتے خود بازار جاتے اور اپنا
 سامان خود ہی اٹھالاتے اور فرماتے میں اس کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں
 آپ نے فوج کے سپہ سالار ہونے کے باوجود، مزدوروں پر، خواہ
 مدینہ کی مسجد کی تعمیر کے وقت، یہ ماحول کھودنے کے زمانے میں، کسی پر سختی
 نہیں فرمائی۔

آنحضرتؐ کا لباس اور مکان بھی بالکل سادہ تھا، آپ کا لباس عام
 لوگوں کے لباس کی طرح تھا۔ دولت و حکومت کی زمام قبضہ اقتدار میں آنے
 کے باوجود، آپ مٹی اور اینٹ سے بنے ہوئے حجرہوں میں رہتے تھے، ہر
 حجرہ کے درمیان کھجور کے درختوں کی ڈالیوں سے بنی ہوئی دیوار تھی جس کو
 مٹی سے چسپاں کیا گیا تھا اور دیواروں کو چمڑے یا سیاہ بالوں کی چادر سے
 ڈھانپا گیا تھا۔

آزاد و غلام فقیر و کینز کی دعوت کو قبول فرماتے، معذرت خواہ کا عذر
 سنتے تھے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے اور اپنے جوتے اپنے ہی ہاتھ سے
 سیا کرتے تھے، اپنی خدمت آپ کر لیتے، اپنے اونٹ کو باندھتے خادم
 کے ساتھ کھاتے، مصیبت زدہ اور محتاجوں کی ضرورتوں کو پوری کیا کرتے تھے۔
 باوجود اس برودباری، تواضع اور مٹساری کے، آپ کے ہیبت و

دقار اور محبت و رعب میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، آپ کا سراپا اس طرح بیان کیا گیا ہے، کہ جو کوئی آپ کو یکا یک دیکھ لیتا، اس پر ہیبت طاری ہو جاتی، جو آپ کی صحبت میں بیٹھتا، آپ اس کو محبوب سمجھتے آپ کے درمیان اور آپ کے صحابہ اور دیگر لوگوں کے درمیان ادب و احترام اور محبت و وقار کا تعلق تھا، آپ میں ذرا بھی کبر کا شائبہ نہیں نظر آیا، مگر آپ بے ادبی یا گستاخی سے ناراض ہو جاتے، اور آپ نے اکثر و بیشتر اوقات میں اپنے اصحاب کو آدابِ مجلس اور اصولِ خطاب کی تعلیم دی؛

سر ولیم مور آپ کی تو اضع پسندی کا اس طرح خاکہ کھینچتا ہے:-

”آپ کی پوری زندگی تو اضع کا پیکر تھی، آپ اپنے ایک ادنیٰ پیرو کے معاملہ میں بھی نہایت ادب و احترام سے پیش آتے تھے، تو اضع، شفقت، صبر، ایثار اور جو دو کرم آپ کی شخصیت کی لازمی صفات تھیں، جنہوں نے بھوں کو اپنا گردیدہ اور فریفتہ بنا دیا تھا، یہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، کہ آپ نے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی دعوت کو یا حقیر سے حقیر ہدیہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہو، اہل مجلس میں سے کسی پر آپ اپنی تعلیٰ اور فوقیت نہیں جتاتے تھے، جب کسی ایسے شخص سے ملتے، جو اپنے مقصد کے پورا ہونے کی وجہ سے خوش خوش نظر آتا ہو، تو اس کا ہاتھ روک لیتے اور اسکی خوشی میں خود بھی شریک ہو جاتے، جب کسی غم زدہ اور آفت رسیدہ شخص سے ملتے تو اس کی ہمدردی و لہجھی

اور غم گساری فرماتے، تنگ دستی اور فقر فاقہ کے زمانہ
 میں لوگوں کو اپنی خوراک تقسیم فرماتے، آپ کو اوروں
 کے آرام و آسائش کلبے حد خیال رہتا۔

آنحضرتؐ کی سیرت کا موازنہ اوروں کے اقوال سے کرنے کی ہیں
 کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ آپ کا تمام دنیا کے انبیاء، پیشوا، اور بہادروں
 میں ممتاز درجہ رکھنا ہی آپ کی زندگی کی فلاح و کامرانی کی واضح ترین دلیل
 ہے، لیکن ہم نے سر ولیم مور کا ایک واضح قول اس لئے درج کیا، تاکہ ہم کو
 یہ معلوم ہو جائے، کہ غیر تو میں بھی آپ کے بلند پایہ کردار کی کس طرح تصدیق
 کرتی ہیں، اگر ہم حقیقی معنی میں آنحضرتؐ کی سیرت سے درس لیں، تو
 آج بھی ہماری نظروں میں عہد نبوت کی زندگی کی عظمت کا نقشہ تیار
 ہو سکتا ہے، آج بھی آپ کی یاد ہمارے دلوں کو وہی تروتازگی و شادابی
 بخشنے گی، جیسا کہ صحابہ کے دلوں کو، آپ کی عظیم الشان ہستی اور آپ کے
 بلند پایہ اخلاق کسی کے چھپائے نہیں چھپ سکتے، بلکہ رات اور دن خفیہ
 و علانیہ، ظاہر و باطن، تنگ دستی و فراخی، قوت و ضعف غرض کہ ہر تضاد
 حال میں آپ کے اوصاف کے جوہر چمکتے ہوئے نظر آئیں گے،

آنحضرتؐ اپنے بلند پایہ اخلاق کے ساتھ ساتھ تواضع اور بردباری
 کے نقطہ نظر سے بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے، آپ کا نفس قدسی
 زندگی کے مختلف مظاہر و احوال میں جلوہ گر تھا، یہی نفس آسمانی تعلقات
 سے مربوط تھا، تو دوسری طرف دنیوی زندگی سے متعلق، لوگوں کے سیل
 جوں سے سرگرم تھا، تو دوسری جانب ان کی محبت سے سرشار الغرض
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ہر دور میں ایک عظیم المرتبت ہستی تھے

جس کے اہم ہر شعبہ حیات میں محتاج ہیں یہی وہ مثالی تصویر ہے جس پر اسلام کے اجتماعی نظام کی بنیاد قائم ہے جس نے تمام انسانوں کو اخوت اسلامی کے ایک ہی رشتہ میں منسلک کر رکھا ہے اس کے مقابلہ میں دولت و تو نگری، حب و نسب اور جاہ و حشمت کا کوئی رتبہ نہیں جو مومن ہے وہ پرہیزگار ہے اور جو بدکار ہے وہ گنہگار ہے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

زندگی کا انقلابی تصور

ہم یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت پر روشنی ڈالیں گے آپ کی طبع فیاض میں یہ صفت حد درجہ روشن تھی، نماز آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفس کی طمانیت تھی، آپ اگر ان عبادت گزاروں میں سے ہوتے، جنہوں نے رہبانیت اختیار کر کے دنیا قطع کر لیا یا ان صوفیاء میں سے ہوتے جنہوں نے دنیا کی لذتوں کو خیر باد کہہ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی، تو آپ کی عبادت کوئی نئی چیز نہ ہوتی، ایک مورخ اور ناقد آنحضرتؐ کی زندگی میں خاص طور سے جس چیز پر نگاہ ڈالتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے امور کی انجام دہی اور زندگی کی دیگر ضروریات و علائق سے وابستہ ہو کر دینی فرائض بالخصوص انتہا درجہ کی عبادت کی ادائیگی نہایت ہی تعجب خیز

اور حیرت انگیز امر ہے، کیونکہ دین و دنیا کو ہم آہنگی کے ساتھ گزارنا انتہائی مشکل چیز ہے، ایک طرف آنحضرتؐ اپنے اہل و عیال خاندان اور مسکینوں کی تربیت و سرپرستی کرتے ہیں، تو دوسری طرف اپنی اُمت کے اہم امور میں مشغول نظر آتے ہیں، سیاسی و حکومتی جہات انجام دیتے ہیں، بادشاہوں کے پاس اپنے سفیر روانہ کرتے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، آپ کی خدمت میں وفد آتے ہیں، آپ ان کا استقبال کرتے ہیں، فوج تیار کرتے اور بذاتِ خود انکی قیادت فرماتے ہیں، بیخبر قوموں اور سلطنتوں سے جنگ کرتے ہیں، فتح و کامرانی کی تدابیر سوچتے اور شکست خوردگی کے ابواب کا انسداد کرتے ہیں، گورنروں کا تقرر کرتے اور بیت المال کی نگرانی کرتے ہیں، اموال خود اپنے ہاتھ سے اپنے رُبوب و تقسیم فرماتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ارشاد فرماتے ہیں، اگر میں خود عدل و انصاف نہ کروں تو دوسرا کون کرے گا؟ دین حق کی تبلیغ کرتے، وحی و رسالت کے اسرار و رموز لوگوں کو سمجھاتے ہیں، اخبار و سنن کی تشریح اور اللہ کے احکام کی توضیح فرماتے ہیں۔

الغرض آپ نے اپنے ہر شعبہٴ حیات میں اپنا جو مثالی کردار پیش کیا وہ دنیا کے بہادروں کے لئے سبق آموز ہے، ان تمام مصروفیتوں اور مشاغل کے باوجود آنحضرتؐ رات دن عبادت میں محو نظر آتے ہیں، ان عابدوں اور زاہدوں سے بڑھ کر اللہ کی محبت میں سرشار تھے، جو بہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں کے گوشوں میں بیٹھ کر اللہ کے دیدار کی طلب کرتے رہتے ہیں؛ بطلِ اعظم کے اس طرح سے دین و دنیا کو ہم آہنگ کرنے کی مثال انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، آپ نے اپنے دن کا ایک حصہ عبادت کے لئے، ایک حصہ لوگوں کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے

تعمیر کر رکھنا تھا، لوگوں کی خدمت گزاری میں اگر زیادہ وقت صرف ہو جاتا تو اپنے گھر کے مقررہ اوقات میں کمی واقع ہو جاتی، لیکن آپ اوقات عبادت کی ہمیشہ حفاظت و نگہداشت فرماتے، اور اپنی تمام زندگی اسی مداومت اور پابندی میں گزاری، جو آپ کے دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے موجب حیرت ہے۔

آپ توجہ خالص اور سعی پیہم کا مجسمہ تھے، جب عبادت کی طرف رجوع ہوتے تو اپنی ساری توجہ اسی طرف مرکوز کر دیتے، اور جب کسی کام کا ارادہ فرماتے، تو اس کو پائے تکمیل تک پہنچائے بغیر لمحہ بھر چین نہ لیتے، مختلف قوموں اور ملتوں کے مورخین کا اس پر اجماع ہے، کہ آپ جو کلام کرتے اپنا دل و دماغ اسی میں صرف کر دیتے، آپ کی یہ بلند برتر صفت لوگوں سے میل جول رکھنے کے وقت زیادہ نمایاں نظر آتی ہے، جب آپ کسی سے گفتگو فرماتے اپنا سارا دھیان اسی طرف مرکوز کر دیتے، جب تک خود مخاطب قطع کلام نہ کر لیتا، آپ اس کے سلسلہ گفتگو کو منقطع نہ کرتے۔

یہی جدوجہد ہر نفس انسانی کے لئے ضروری ہے، دین و دنیا کے تمام شعبوں میں فلاح و بہبودی کارزار اسی میں مضمر ہے، بطلان اعلم اپنے ان پیردوں سے کہنے میں کا عملی نمونہ تھے، جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین اور لائحہ عمل اسی جدوجہد کو قرار دیا جس کی بنا پر وہ حکومتوں کے بادشاہ گویوں کے سیاست دان اور زمانے کی سبز بر آورده ہستیاں کہلاتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ رسول اکرم نے بکریوں اور اونٹنوں کے چرانے والوں، تجارت و زراعت پریشہ لوگوں، دہقانوں اور ہندیہ سے نا آشنا قبائل کو تعمیر و کسریٰ کی سلطنتوں کا مالک بنا دیا، یہ اس قابل ہو گئے، کہ دنیا کے حکمرانوں

کو عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا سبق دے سکیں۔
 آنحضرتؐ عہد طفولیت ہی سے فطری طور پر عبادت کی طرف
 مائل تھے، اسی میں آپؐ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور روح کا سکون پائے
 تھے، رسالت کے پیشتر ہینہ بھر مکہ کے باہر غار حرا میں خلوت گزریں ہو کر
 اللہ کی عبادت میں سرشار ہو جاتے، ایک شاعر نے کہا ہی بلخ امدار میں
 کہا ہے:-

” آپ کو بچپن ہی سے عبادت اور گوشہ نشینی سے
 محبت تھی، اور یہی شرفیوں اور نیک طبع لوگوں کی
 عادت ہے، جب آپ کے دل میں ہدایت کا چشمہ
 پھوٹ نکلا، تو اسی چشمہ نور سے آپ کے اعضا نے
 سیرابی حاصل کی۔“

فقہاء اور ماہرین اصول و شرائع نے اس امر میں اختلاف کیا ہے
 کہ آپ کی عبادت کی صورتِ نوعیہ کیا تھی، اور آپ کس شریعت کے
 پابند ہو کر عبادت کرتے تھے؟ اس کا طریقہ کیا تھا؟ اس اختلاف کی وجہ
 سے ان کے تمام اقوال باہم مشتبہ نظر آتے ہیں، لیکن یہ امر تاہی کسی سے
 ثبوت و تحقیق کہ پہنچ چکا ہے، کہ آپ کی عبادت اس طرح تھی، کہ آپ
 نماز کا نجات میں غور و فکر فرمایا کرتے اور موجوداتِ عالم کو دیکھ کر وعدائے
 اور قابضیت پر استدلال کیا کرتے تھے، لیکن تاہی سے کہیں یہ نہ معلوم
 ہو سکا کہ آپ اگلی شرائع و ادیان کے طریقہ سے عبادت نہ کرتے تھے، آپ
 نے عہد رسالت اور رشد و ہدایت سے سرفراز ہونے کے پیشتر اس نظریہ
 توحیدی کی تردید کی جو گذشتہ ادیان و مذاہب میں گھڑ لیا گیا تھا، یہاں تک کہ

عربوں کے بعض عبادات مثلاً حج وغیرہ کے رائج شدہ طریقوں کو مذہباً ٹھہرایا اور شعائر حج کی ادائیگی میں اپنے قبیلہ کے طریقے اختیار نہیں کئے بلکہ عرفہ میں ٹہرنے اور افاضہ کرنے میں دیگر لوگوں کا اتباع کیا، قریش کی ان اکثرہ بیشتر چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دیا، جن کو وہ جاہلیت میں حلال سمجھتے تھے، آپ کی عقل سلیم نے جس کو صحیح سمجھا اسی کی پیروی کی، ہمیشہ طالب حق رہے، آپ کی عبادت محض خور و فکر اور ربوبیت میں تدبیر پر منحصر تھی، آخر کار آپ کا سینہ ایمان و یقین کی تجلیات سے منور ہو جاتا ہے؛

و كذلك اوحينا اليك روحا
 من امرنا ما كنت تدري ما
 اسی طرح بھیجی ہم نے تیری طرف ہمارے
 امر کی روح تو نہیں جانتا تھا کہ کتب
 کیا ہے اور ایمان کیا۔

الكتاب ولا الایمان۔

و وجدك ضالاً فهدى، اس نے تجھے گمراہ پایا تو ہدایت
 کی، جب آپ کو ہدایت کا نور حاصل ہو گیا، تو آپ نے نماز پڑھنی شروع کر دی
 آپ اور حضرت علیؓ کی نگہائیوں میں جاتے اور غیبی طور پر نماز پڑھتے اور شام
 کے وقت واپس آجاتے۔

آنحضرتؐ کا دل نور ہدایت سے منور ہو گیا، تو آپ نے اللہ سے سلسل
 زبدا و تعلق پیدا کر لیا، اور آپ کا نفس نذاتی عبت میں سرشار ہو گیا، ہم بلا خوف
 تر و دیدہ دعویٰ کر سکتے ہیں، کہ آپ، اپنی حرکت و سکون، خواب و بیداری، غرض
 کہ ہر حال میں اللہ سے تعلق رکھتے تھے، ذات خداوندی میں اس درجہ
 اپناک تھا، کہ اپنے خالق کے روبرو اتنی دیر تک کھڑے ہوتے کہ آپ کے

پاؤں ستورم ہو جاتے، مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں، آنحضرتؐ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے، تو آپ کے قدم یا پنڈلیاں سوچھ جاتیں، آپ سے جب اس کے متعلق پوچھا جاتا، تو فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

ابن سعد بیان کرتے ہیں، کہ ایک رات میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی، بڑی دیر تک آپ نے قیام کیا، یہاں تک کہ میں ایک برا ارادہ کرنے پر آمادہ ہو گیا، پوچھا گیا، کہ آپ نے کیا ارادہ کیا تھا؟ کہنے لگے کہ میں نے قصد کیا کہ بیٹھ جاؤں اور آنحضرتؐ کا ساتھ چھوڑ دوں۔

عبد اللہ بن عمر بن عاص روایت کرتے ہیں، کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا، خدا کو واؤد علیہ السلام کی نماز سے زیادہ پیاری تھی اور ان کا روزہ تمام سے زیادہ عزیز، آپ نصف رات سوتے اور باقی تیسرے حصہ میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاتے، اور پھر چھ حصہ میں سوتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے۔

آپ کو اپنی عمر بھر قیام شب اور تہجد گزاری کی عادت رہی، جس میں آپ دعائیں مانگتے اور اللہ سے التجائیں کرتے تھے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ محبت الہی میں کس قدر سرشار اور خشیت ایزدی سے کتنے لب ریز تھے، آپ اکثر اس وقت یہ دعا فرماتے تھے؛

اللهم لك الحمد	اے اللہ تمام تعریف تیرے ہے
انت قبم السموات والارض	تو ہی آسمان اور زمین کی تمام
ومن فيهن، ولك الحمد	چیزوں کو قائم رکھنے والا ہے،
انت نور السموات	تیرے ہی لئے حمد ہے، تو آسمان
والارض ومن فيهن	وزمیں کی تمام چیزوں کا نور ہے،

و لك الحمد انت ملك
 السموات والارض و
 من فيهن، و لك الحمد
 انبت الحق و وعدك الحق
 و لقاءك الحق و فتوك
 الحق، و الجنة حق و النار
 حق، و النبيون حق و محمد
 حق، و الساعة حق، اللهم
 لك اسلمت و بك امنت
 و عليك توكلت، و اليك
 انبت و بك خاصمت
 و ايك حاكمت، فاغفر لي
 ما قدمت و ما اخرت
 و ما اسررت و ما اعلنت
 انت المقدم و انت المؤخر
 لا اله الا انت و لا حول
 و لا قوة الا بالله۔

توہی تعریف کے سزاوار ہے، تو
 آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزوں
 کا بادشاہ ہے توہی تعریف کا مستحق
 ہے، توہی حق ہے، تیرا وعدہ حق، تجھ
 سے ملنا حق، تیرا قول حق، جنت و
 دوزخ حق، انبیاء اور محمد حق ہیں اور
 قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے
 لئے اسلام لایا، تجھ پر ایمان لایا، تجھ
 ہی پر بھروسہ کیا، تیری ہی جانب
 رجوع کیا، تیری خاطر دشمنی کی اور
 تیری ہی راہ میں فیصلے چھایا، میرے
 اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے، میرے
 پوشیدہ اور ظاہری گناہ معاف کر دے
 توہی سب سے پہلے اور توہی سب
 سے آخر ہے، تیرے سوا اور کوئی
 معبود نہیں، تمام قوت و طاقت کا
 سرچشمہ صرف اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے تہجد کی شان میں اس طرح ارشاد فرماتا ہے۔
 یا ایہا المزمحل تم
 الیل الا قلیلاً نصفہ
 اور انقص منه قلیلاً اور
 آئے کپڑوں میں لیٹنے والے رات
 کو کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات
 یعنی نصف رات یا اس نصف سے

زدعليه ورتل القدرات
 ترتيلاً انا سلفي عليك
 فتوراً ثقيلاً ان ناشئة
 الليل هي اشد وطناً
 فتور قسلاً ه

کسی قدر کم کر دیا نصف سے کچھ بڑھا
 اور قرآن کو خوب صاف صاف
 پڑھو ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے
 کو ہیں بے شک رات کے اٹھنے میں
 دل اور زبان کا خوب میل ہو جائے
 اور بات خوب ٹھیک نکلتی ہے۔

چنانچہ آنحضرتؐ اس حکم کی تعمیل پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں، اسی کو صحابہ
 کے ایک شاعر ابن رواحہ آنحضرتؐ کی شان میں فرماتے ہیں۔

"آپ ہم کو ہدایت کرتے اور جب آئندہ کے واقعات
 و حوادث سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں، تو ہمارے دل اس کا
 یقین کرتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں، کہ آپ نے جو
 کچھ کہا ہے، وہ یقیناً ہو کر رہے گا، جس وقت مشرکین گہری
 نیند کے عالم میں مدہوش ہوتے ہیں، تو اس وقت
 آنحضرتؐ اپنے بستر سے اٹھ کر اللہ کی یاد میں مصروف
 ہو جاتے ہیں۔"

آنحضرتؐ کے قلب و دماغ پر باری تعالیٰ کی ہدایت کا تصور اس
 طرح چھایا تھا، کہ ایک لمحہ بھی الہی ربط و ضبط کا دامن آپ سے نہیں چھوٹتا
 آپ کا دل محبت الہی، خشیتِ ایزدی، یادِ خداوندی اور اطاعت و فرمانبرداری
 کے جذبات سے ہمیشہ لب ریز رہتا، رات اور دن کے اکثر بیشتر حصوں
 میں خشوع و خضوع کے ساتھ آپ عبادتِ الہی میں مشغول رہتے تھے، آپ
 کے حسبِ مشاء کوئی کام صادر ہو جاتا، تو آپ فرماتے تھے "الحمد لله الذی

بنعمتہ تَمْر الصَّالِحَاتِ سب تعریفِ اشرہی کو سزاوار ہے جس کی نعمت کے طفیل اچھے کام سرانجام پاتے ہیں، آپ کی خلاف مرضی جب کوئی کام پیش ہوتا تو فرماتے "الحمد لله على كل حال؛ ہر حال میں اللہ کا شکر و احسان ہے، جب کسی کام کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے :-

"اللهم خير لي واختر لي؛ اے اللہ مجھے بھلائی عطا کر اور مجھے پسند کر لے؛ جب سفر کا قصد فرماتے تو یہ دعا کرتے :- "اللهم بئك اوصول وبئك اجول؛ اے اللہ میں تیری راہ میں جا رہا ہوں اور تیری ہی راہ میں سفر کرتا ہوں۔ سوتے وقت یہ دعا کرتے :- "اللهم باسمك وضعت جنبي وباسمك ارفعہ؛ اے اللہ میں تیرا نام لے کر سویا اور تیرے ہی نام سے اٹھوں گا؛ بیدار ہوتے وقت فرماتے "الحمد لله الذي احيانا بعد ان اماتنا واليه النشور؛"

تمام تعریفِ اشرہی کے لئے جس نے ہمیں مرادہ کرنے کے بعد پھر زندگی بخشی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے، نئے کپڑے پہنتے وقت فرماتے :-

الحمد لله الذي رزقني ما اتجمل به في حياتي؛ شکر و تعریف ہے اُس خدائے پاک کے لئے، جس نے مجھے ایسی چیز عطا کی، جس کے ذریعہ میں اپنی زندگی میں زیب و زینت حاصل کر سکتا ہوں۔

کھانا کھانے کے وقت یہ دعا پڑھتے :- الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين؛ سب تعریفِ خدا ہی کو سزاوار ہے، جس نے ہمیں کھلایا، سیراب کیا اور ہم کو مسلمان بنایا۔

یہ دعا پڑھ کر پانی پیتے :- "الحمد لله الذي جعل الماء عذبا فراتا بوحمته ولم يجعله ملحا اجابدا نوبنا؛ حمد و شکر"

اس خدا کے پاک کا جس نے پانی کو اپنی رحمت سے شیریں بنایا اور چارے
 کھا ہوں گی وجہ سے اس کو کھانا نہیں بنا دیا۔ اپنے بستر پر رات کے
 وقت کروٹ بدلتے تو فرماتے: لا الہ الا اللہ الواحد القہار
 رب السموات والارض وما بینہما العزیز الغفار، اللہ
 کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی اکیلا بڑے قہر والا ہے، آسمان، زمین اور
 ان کے درمیان جتنی چیزیں ہیں ان سب کا پروردگار ہے، غالب ہے اور
 زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔

رات میں نیند سے جب بیدار ہوتے تو فرماتے: "رب اغفر وارحم
 واھد للسبیل الا قوم: اے پروردگار بخش دے اور رحم فرما اور
 سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت دے؛

اللہ سے آنحضرت کا رشتہ توجہ ایک لمحہ کے لئے بھی جھاننا ہوتا تھا، آپ
 کی طبیعت میں عبادت کا گہرا میلان پایا جاتا تھا، رات اور دن کی اکثر عبادتیں
 گھڑیوں میں آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، نماز میں اپنی آنکھوں کی
 ٹھنڈک، دل کا سرور اور روح کی تسکین پاتے، اپنے صحابہ کو ان کی برداشت
 سے بڑھ کر کام کرنے کو منع فرماتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، وہ
 آنحضرت کو جب کوئی کام کرنے کی رغبت ہوتی، تو آپ محض اس خوف
 سے اس کو ملتوی کر دیتے کہ مبادا لوگ اسے فرض سمجھ کر کرنے لگ جائیں۔
 حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ آنحضرت نے دو یا تین دن

تک مسلسل صوم وصال رکھا اس وقت رمضان کے آخری دن تھے لوگوں
 نے بھی آپ کے اتباع میں صوم وصال رکھا، آپ کو جب اس کی اطلاع ہوئی
 تو فرمایا کہ اگر ماہ رمضان کے اور دن باقی رہتے، تو میں دیکھ لیتا کہ کون کون

یہ اساتذہ دیتے تھے، زیادتی کرنے والے تو باز رہ جاتے ہیں تمہاری طرح سے نہیں ہوں مجھے خدا کھلاتا پلاتا ہے، یعنی میری مدد کرتا ہے اور مجھے قوت دے تو انانی عطا کرتا ہے؛

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ آنحضرتؐ نے مسجد میں نماز پڑھی، تو آپ کے پیچھے بہت سے لوگوں نے بھی نماز پڑھی، دوسری شب بھی آپ نماز پڑھ رہے تھے، تو لوگوں کی تعداد پہلے سے زیادہ تھی، تیسری رات لوگ جمع ہوئے؛ لیکن آپ تشریف نہیں لائے، جب صبح ہوئی، تو آپ نے ارشاد فرمایا میں نے تمہارا نالی شاہدہ کر لیا، میں اس لئے نہ آسکا، کیونکہ مجھے خوف تھا کہ یہ تم پر فرض نہ ہو جائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان میں نماز پڑھ رہے تھے، میں آپ کے بازو کھڑا ہو گیا ایک اور شخص آیا وہ بھی کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ ہماری ایک جماعت بن گئی، جب آپ کو احساس ہوا کہ ہم آپ کے پیچھے کھڑے ہیں، تو نماز میں جلدی کرنی شروع کر دی، اس کے بعد آپ گھر تشریف لے گئے اور نماز پڑھی جو پہلی نماز سے زیادہ طویل تھی، میں نے صبح کے وقت پوچھا کہ کیا آپ نے ہمیں محسوس کر لیا تھا، آپ نے فرمایا ہاں اسی امر نے تو مجھے اس طرح کرنے پر آمادہ کیا؛

اس میں کوئی شک نہیں، کہ آنحضرتؐ کے اندر اللہ سے اتصال و تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت، استعداد بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ تھی، آپ اپنی برداشت اور طاقت سے بڑھ کر کام کرنے کو اپنے لئے بہتر اور محبوب سمجھتے تھے، اس چیز کو صرف اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے جب آپ کے صحابہ آپ کی اس بارے میں اتباع کرتے، تو آپ کو ان کی

اس شقت برداری اور غلو پندی سے خوف و امن گیر ہو جاتا، ایک وہ مستی جو عبادت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ چکی ہو، جہاں تک کوئی شخص رسالی نہیں کر سکتا اور خدا کا وہ رسول، جس نے ایک ایسا سہل اور آسان دین پیش کیا ہو، جو زندگی کے تمام حقایق کا حامل ہے، اگر لوگوں سے صرف اس وجہ سے ناراض ہو جائے، کہ وہ دنیا سے قطع تعلق کر لینے اور عبادت گزار کی ہی میں منہمک ہو جانے کا ارادہ کرتے ہیں، تو یہ برہمی و برا فروختگی اسی کے مترادف ہے، اسی ہم آہنگی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ
الدَّارَ الْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ
نَصِيبًا مِّنَ الدُّنْيَا وَحَسْنَ
كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ
اللَّهُ نَزَّلَ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ آيَةً
تَحْفَظُكَ اللَّهُ وَحَسَنَ مَا كَانَتْ
تَحْفَظُكَ اللَّهُ وَحَسَنَ مَا كَانَتْ

اللہ نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے اس سے آخرت کے گھر کا سامان تلاش کر اور دنیا کے اپنے حصہ کو بھی نہ بھولجا اور جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی احسان کر۔

ایک مرتبہ کسی سفر میں آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے ایک فار دیکھا، جس کے اطراف سبزہ اگا ہوا تھا، اس کا دل گوشہ نشینی اور عبادت کرنے کی طرف مائل ہو گیا، آپ برہم ہوئے اور فرمایا کہ میں یہود و نصاریٰ کا دین لے کر نہیں آیا، بلکہ حضرت ابراہیمؑ کا آسان اور سہل دین لایا ہوں۔ بعض صحابہ نے رہبانیت اور دنیا سے قطع تعلق اختیار کرنے کا ارادہ کیا، آپ سخت غضب ناک ہوئے اور اس سے باز رکھا، ایک اور شخص نے ارادہ کیا تھا، کہ وہ عبادت کی غرض سے گوشت نہیں کھائے گا، آپ نے اس کو منع کر دیا،

حضرت انس فرماتے ہیں، کہ ہم نبی اکرمؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے،

ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض افطار کرنے والے، سخت گرمی کے دن تھے، آپ ایک مقام پر اترے، ہم میں سے اکثر لوگ چادروں کو سائبان بناتے اور بعض اپنے ہاتھوں سے سورج کی تیز شعاعوں کو روکتے تھے، روزہ دار شدت تمازت کی تاب نہ لا کر گر پڑے، اور افطار کرنے والوں نے اپنے خیمے نصب کئے اور جانوروں کو پانی پلایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آج افطار کرنے والوں نے ثواب لوٹ لیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کے جو اوامر و احکام ناقد کئے، وہ تمام صحابہ کے دلوں میں سرایت کر گئے، انھوں نے اپنے اور اتنا ذرا علم کے مقصد کو پہچان لیا، اور اپنی قوانین و اصول پر کار بند رہے، ایک مرتبہ سلمان فارسی، ابو درداء کے گھر آئے، یہ وہ اشخاص تھے جن کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں برادری اور بھائی چارہ پیدا کر دیا تھا، سلمان نے دیکھا، ابو درداء کی بیوی غم زدہ بیٹھی ہوئی ہے، انھوں نے اس کا سبب دریافت کیا، ان کی بیوی نے جواب دیا، آپ کے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے، اتنے میں ابو درداء بھی آپہونچے، انھوں نے اپنے بھائی کے لئے دسترخوان چنا اور کہنے لگے آپ تناؤ فرمائیے میں روزہ سے ہوں، سلمان نے کہا میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤنگا چنانچہ یہ سن کر وہ بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے، جب رات ہوئی، تو ابو درداء نے جانے کا قصد کیا، تو انھوں نے کہا سو جائیے تو وہ سو گئے، کچھ دیر بعد اٹھ گئے اور جانے کا ارادہ کیا، پھر انھوں نے کہا سو جائیے جب رات کا آخری حصہ آپہونچا، تو سلمان نے کہا اب اٹھیے ان دونوں نے نماز پڑھی، اس وقت سلمان نے کہا تم پر اپنے پروردگار کا حق ہے، اپنے

نفس کا حق ہے، اور اپنے گھر بار والوں کا حق ہے، تم ہر حق دار کا حق ادا کرو،
اس کے بعد سلمانؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ ماجرا بیان
کیا، آپ نے سن کر فرمایا سلمان نے سچ کہا ہے۔

انس بن مالک سے روایت ہے، کہ تین شخص آنحضرتؐ کے گھرنے
اور آپ کی بی بیوں سے آپ کی عبادت کا حال پوچھا، جب انہوں نے
اس کی خبر دی، تو انہوں نے آپ کی عبادت کو کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہم کہاں
اور حضورؐ کہاں؟ خدا نے تو آپ کے انگلی اور پچھلے سناہ کو معاف کر دیا ہے، ان
میں سے ایک نے کہا میں ہمیشہ رات بھر نمازیں پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے
کہا میں ہمیشہ روزے ہی رکھا کروں گا، اور افطار نہ کروں گا، تیسرے نے
کہا میں غورتوں سے علیحدہ رہوں گا، اور کبھی شادی نہ کروں گا، آنحضرتؐ
تشریف لائے اور آپ کو اس کی خبر ملی، تو فرمایا "کیا تم لوگوں نے ایسا دیکھا؟
سنو! قسم اللہ کی میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں لیکن میں روزہ بھی
رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور صومتا بھی ہوں
اور شادی بھی کرتا ہوں، جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے گا، وہ
میرے امت سے نہیں، یہی وہ بیانا روی اور اعتدالی روش ہے، جس پر
آنحضرتؐ نے سب کو قائم رکھنا چاہا تھا، چنانچہ آپ کو اس مقصد میں حیرت
انگیز کامیابی نصیب ہوئی آپ کو ہمیشہ یہ کھٹکانگا رہتا تھا کہ لوگ کہیں جاؤ
اعتدال سے نہ بھٹک جائیں اور اپنے نفسوں کو ناقابل برداشت امور پر
آبادہ کر لیں، جس طرح آپ دنیاوی امور انجام دینے اور شجاعت و بہادری
کے جوہر دکھانے میں لاثانی تھے، اسی طرح آپ عبادت گزار اور اطاعت
خداوندی میں بے مثال تھے۔

ہم یہاں پر عبادت کی جس بلند پایہ تصویر کو پیش کرنا چاہتے ہیں، وہ آپ کی دعا ہے، آپ فرماتے ہیں، کہ دعا بھی عبادت میں داخل ہے۔ وقال ربکم ادعونی استجب لکم، اور کہا تمہارا سب پروردگار نے تم مجھے پکارو تو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔

مندرجہ ذیل دعائی انداز پر غور کیجئے، کہ اس کے اندر خشوع و خضوع اور تسلیم و رضا کے کتنے بے شمار جلوے نظر آتے ہیں۔

ان صلاتی و نسکی
و بحیای و حماتی لله رب العالمین
لا شریک له و یدلک امر
وانا اول المسلمین، اللهم
اهدنی لاحسن الاعمال
واحسن الاخلاق، لا
یہدنی لاحسنها الا انت
وقتی سستی الاحمال و سستی
الاخلاق، لا یقی سبتھا
الا انت، اللهم لك
رکعت و یک امانت و
لك اسلمت و علیک
توکلت، انت رنی خشیع
سمعی و بصری و حکمی
و دمی و عظمی لله رب العالمین

یسری نماز اور قربانی اور یسری موت و
یات جہازوں کے پروردگار ہی کے لٹو
ہے، جس کا کوئی سا جہی نہیں اور اسی
کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں سب
میں پہلا مسلمان ہوں، اے خدا
مجھے بہترین کام اور حسن اخلاق کی
توفیق عطا فرما، تو ہی اچھے اور بھلے
اعمال کی ہدایت کر سکتا ہے، مجھے
بڑے کاموں اور بڑے اخلاق سے
محفوظ رکھ، تو ہی ان سے بچا سکتا
ہے، اے اشر میں تیرے ہی لئے
جھکا، تجھی پر ایمان لایا، تیرے ہی لئے
اطاعت کی، تجھی پر بھروسہ کیا، تو ہی
میرا پروردگار ہے، میرے کان،
میرا آنکھیں، میرا گوشت، میرا خون

اللهم اغفر لي ما قدمت
وما أخرت وما أسررت
وما أعلنت وما أسرفت
وما أنت أعلم به مني
أنت المقدم وأنت المؤخر
لا إله إلا أنت

اور میری ہڈیاں جہانوں کے پروردگار
کی خشیت سے معمور ہو گئیں، اسے اظہر
میرے اگلے اور پچھلے، میرے ظاہر
و باطن گناہوں کو بخش دے، میری
زیادتیوں سے درگزر فرما اور ان
خطاؤں کو بھی معاف کر دے، جن
سے تو واقف ہے، تو ہی سب
سے پہلے اور تو ہی سب کے آخر ہے
تیرے سوا کوئی معبود نہیں،

الغرض آنحضرتؐ اپنی عبادت میں اخلاص کے اعلیٰ منازل اور
اطاعت و محبت الہی میں محویت کے اونچے مراتب پر فائز ہو گئے تھے اور
بارگاہ الوہیت میں تقرب اور باریابی کا شرف حاصل کر لیا تھا، اس کے
باوجود نبوی امور کی انجام دہی اور سلطنت کے قیام و استحکام میں بھی گرا
قدر حصہ لیا اور سوسائٹی سے فتنہ و فساد اور بیجان و اضطراب کو دور کیا،
الحاصل آپ کی شخصیت کے ماند زندگی کی تمام حوائج و ضروریات کا حل اور
اہم مقاصد کی تکمیل کے ذریعہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود تھے۔
بلکہ عظیم کی اس عظیم القدر صفت کے سامنے تمام لوگوں کو اپنا
سر تسلیم خم کر دینا پڑتا ہے، ورنہ کے بہادروں اور شاہیر عالم کی کیا مجال کہ
آنحضرتؐ کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھیں، اگر وہ یہ جرات بھی کر نہیں
تو آخر میں جبرانی اور دراندگی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، تاریخ عالم میں
کوئی ایسا شخص نظر نہیں آئے گا جو اپنے رومانی اہلک اور شب و روز کی

عبادت گزاری کے ساتھ ساتھ دنیاوی بہات کو اور اپنی قوم اور خود اپنے
نفس کی خدمت کو بہتر صورت اور خوش اسلوبی سے انجام دے سکے اور
دشمنوں کا مقابلہ اور ان کی مدافعت کرتے ہوئے مستحکم و مضبوط سلطنت
کی بنیاد ڈالے جیسا کہ آنحضرتؐ نے اپنا یہ فریضہ پورا کر کے دنیا کے روبرو
اپنے آپ کو ایک بے مثال ہستی ثابت کر دی۔

عفو و درگزر کی روشن مثال

ہم یہاں بیان کریں گے، کہ آنحضرتؐ کو جن لوگوں نے تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں، آپ نے ان سے کس قسم کا سلوک کیا، قرآن مجید نے خود آپ کو درگزر کی تعلیم دی ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا: "خذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجاہلین"۔ درگزر اختیار کر بھلائی کا حکم دے اور جاہلوں سے اعراض کر، اس آیت کی تشریح آپ نے اپنے اس قول سے فرمائی کہ جو شخص تم سے قطع تعلق کرے تم اس کو جوڑو، جو تمہیں محروم نہ رکھے تم اس کو عطا کرو، جو شخص تم پر ظلم کرے تم اس کو درگزر کرو۔

عفو و درگزر وہ آئینہ ہے جس میں نفس کی کیفیات جلوہ گر ہوتی ہیں

اسی میں الوالعزمی، رفعت شان بے لوث اغراض اور بہادری کی اصلی صفات منعکس ہوتی ہیں۔

مشاہیر عالم بلکہ تمام انسانوں کی تاریخ میں اس حضور اکرمؐ کی فوز و فلاح فتح و نصرت، ہمدردی، مودت و عطا اور عفو و درگزر کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔

کہ اور طائف عداوت و شرانگیزی کا مرکز تھے، یہاں کے باشندے لات و عزیٰ کی وفاداری کا دم بھرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے تھے، قریش و ثقیف کا قبیلہ شرک و بت پرستی کی طرف زیادہ راغب تھا، ان دو مقامات میں سے بہت سے لوگ آپ کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے تھے چنانچہ ابو جہل، اس کا بیٹا عکرمہ، امیہ بن خلف، اس کا بیٹا صفوان، عاص بن وائل، سہمی، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان، عمرو بن عمیر کے بیٹے ابو سعود ثقفی، مالک بن عوف اور ان کے علاوہ اور بہت سے وہ لوگ تھے، جو آنحضرتؐ کو ایذا میں اور تکلیفیں پہنچانے، آپ کا تمسخر اڑانے آپ کو قتل کرنے اور آپ کی ہجو و مذمت کرنے کے درپے ہوئے، یہی چیزیں ان کے فخر و مباہات اور تفریح طبع کا سامان شمار کی جاتی تھیں۔ آپ کی ایذا و رسائی اور تکالیف و مشکلات کے چار ادوار قرار دیئے جاسکتے ہیں، پہلے دور میں آپ کی دل آزاری اور آپ کی شان کی تحقیر شروع ہوتی ہے، جس وقت کہ آپ صفا کی پہاڑی پر لوگوں کو پہلی مرتبہ وعظ شانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ابوہب آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

تو ہلاک ہو جائے (نعوذ باللہ) کیا تو نے اسی وجہ سے ہم کو جمع

کیا

دوسرے دور میں آپ سے ترک موالات کی تحریک شروع کی جاتی ہے، اور آپ کے مقاطعہ کا عہد نامہ کعبہ میں چسپان کیا جاتا ہے، یہ وہ عہد نامہ تھا، جس میں مشرکوں نے بنو ہاشم کو، آنحضرتؐ کی حمایت کرنے کے جرم میں، بائیکاٹ کرنے کا عہد کیا تھا، یہ خاندان بنو ہاشم کی ایک گھائی میں نظر بند ہو گیا تھا اور بھوک اور فاقہ کی وجہ سے بے تابی کا عالم طاری ہو گیا تھا، یہ دور بہت کٹھن اور دشوار گزار تھا، کیوں کہ میثاق نامہ میں یہ اقرار کیا گیا تھا، کہ لوگ آل محمدؐ سے شادی بیاہ نہ کریں، کسی قسم کا لین دین نہ کریں اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

تیسرے دور میں آپ کے حامی و مددگار ابو طالب اور آپ کی ہم درد و غم گسار بیوی حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو جاتا ہے، اس کے بعد آپ کے سر پر غلاطت پھینکی گئی اور آپ پر روسے زمین تنگ کر دی گئی لیکن آپ عزم و استقلال کا مضبوط پہاڑ اور ایمان و نبوت کے مستقل ستون بنے رہے اور صبر و عزیمت کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اس نازک دور میں آپ طائف اس غرض سے تشریف لے گئے تاکہ بنو ثقیف سے حمایت کا عہد لیں اور اپنی قوم سے حق تحفظ حاصل کریں لیکن انھوں نے نہایت ذلت آمیز طریقہ اور ناشایستہ حرکات سے آپ کا انکار کیا، عمرو بن عیمر کے تینوں بیٹوں نے جو وہاں کے رئیس مانے جاتے تھے، آپ کے ساتھ تمسخر آمیز سلوک کیا، ان میں سے ایک نے کہا، ”کیا خدا کو تمہاری سوار رسول بنا کر بھیجنے کے لئے کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکتا؟“ ہوا، دوسرے نے کہا، ”بھلا میں تم سے ہرگز گفت و شنید نہیں کروں گا“

اگر تم اپنے آپ کو رسول سمجھتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس قسم کی گستاخی
 کرنے اور غیر مذہب کلمات استعمال کرنے سے منع کیا، اور ان سے اپنی حمایت
 و تحفظ کا عہد لینا چاہا، کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا، کہ مکہ میں جانے سے پھر کہیں
 آپ مصائب و آفات میں نہ گھر جائیں۔ لیکن ان لوگوں نے کسی قسم کا
 معاہدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا، انہوں نے آپ کو سخت سست
 کلمات استعمال کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہاں کے چند غنڈوں
 اور آوارہ نش اسخاص کو آمادہ کیا، کہ وہ آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے
 پیچھے شور و شغب کرتے ہوئے جائیں پھر انہوں نے آپ کو شہر کے
 حدود سے باہر نکال دیا، تین میل تک شریعے اور آوارہ لوگ آپ کے
 پیچھے پیچھے اودھم مچاتے ہوئے دوڑے آئے اور آپ کو پتھروں سے
 زخمی کر ڈالا، یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں خون سے تر ہو گئے،
 جب آپ تھک کر بیٹھنا چاہتے تو وہاں سے اٹھا دیتے، اور چلے جانے
 پر مجبور کرتے، آخر کار عقبہ بن ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ گزیں
 ہو گئے، جب آپ نے کچھ دم لیا، تو خدا نے تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کی
 "اے خدا میں تیرے ہی حضور میں اپنی کمزوری بے بفاہمتی اور لوگوں
 کی ایذا رسانی کا اظہار کرتا ہوں، اے سب سے زیادہ ہر بان اور
 رحم کرنے والے خدا! تو ہی کمزوروں کا پروردگار ہے اور میرا بھی،
 تو نے مجھے کیسے لوگوں کی طرف بھیجا، اور کیسے دشمنوں کے لئے مجھے
 کام سپرد کیا، اگر تو مجھ پر ہر بان ہے اور غضب ناک نہیں ہے، تو مجھے
 کسی کی کچھ پروا نہیں، تیری عافیت میرے لئے وسیع ہے، میں تیرے
 اس روشے منور کی پناہ میں آتا ہوں، جس سے تمام عالم کی ظلمتیں کل فور

ہو گئیں، دینا و آخرت کی اصلاح اسی امر پر ہے کہ تو مجھے اپنے قہر و غضب سے محفوظ رکھ، عتاب تیرے ہی لئے سزاوار ہے، تو مجھ سے راضی ہو جا ساری طاقت و قوت کا تو ہی مالک ہے۔

جب آپ کہ واپس ہوئے، تو یہاں صرف ایک متنفس مطعم بن علی نے آپ کی حمایت کا ذمہ لیا، بالآخر آپ کی ایذا رسانی کا یہ دور آپ کو تسل کرنے کے منصوبہ پر ختم ہوتا ہے، جو آپ کی مشکلات کا انتہائی نازک دور کہلاتا ہے، تجویز یہ تھی کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان کا انتخاب کر لیا جائے، تاکہ بنو عبد مناف خون کا بدلہ لینے کی ہمت نہ کر سکیں، آپ نے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اسی سے چوتھے دور کا آغاز ہوتا ہے، آپ کی ہجرت کا واقعہ مشہور ہے، جس کے یہاں ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

لیکن ہم کو یہ دیکھنا ہے، کہ آنحضرت نے اس کو وظائف اور ان بانیان فتنہ و شرکے ساتھ جنھوں نے آپ کو ایذا میں پہنچانے اور ظلم و ستم روا رکھنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا، کس قسم کا سارک و برتاؤ کیا اور کس درجہ عفو و درگزر سے کام لیا۔

آپ فتح و کامرانی حاصل کر کے ایک لشکر جرار کے ساتھ، جو اس سے قبل جزیرہ عرب میں دیکھنے میں نہیں آیا تھا مکہ میں پہنچتے ہیں اور جنین و طائف کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، ہوازن و ثقیف کے چھ ہزار قیدی آپ کے سامنے حاضر کئے جاتے ہیں، باقی سرکش اور باغی سردار الک بن عوف یا لیل بن عمرو وغیرہ فرار ہو جاتے ہیں، لیکن آپ کی رحمت کا بدلہ اور عفو و درگزر کا یہ عالم ہے کہ آپ ان سرکش سرداروں کے ساتھ جنھوں نے پہلے فتنہ و فساد برپا کیا تھا، حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے ہیں، بخلاف

اس کے دیگر شاہیر عالم اور بہادروں کے حالات پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے
ایسے وقت میں اپنے مخالفین میں سے کتنوں کو تیغ کر دیا۔

ع بین تفاوت رزہ از کجاست تا کجا

فتح مند لشکر کے مکہ میں پہنچنے سے قبل ابوسفیان اپنے تین آدمیوں
کے ساتھ آپ کی فوج کا جائزہ لینے کے لئے نکلا، اس نے اندازہ لگایا کہ
آنحضرتؐ سے جنگ کرنے کی اس کے اندر طاقت نہیں، اتنے میں حضرت
عباسؓ نے اس کو دیکھ لیا، تو آپ نے آنحضرتؐ کے خچر پر اس کو اپنے
پیچھے بٹھالیا اور خفیہ طور پر لشکرگاہ میں پہنچے، تاکہ ابوسفیان اور مکہ والوں
کے لئے امن طلب کریں، مسلمانوں نے جب یہ دیکھا، کہ آنحضرتؐ کا چچا
آپ کے خچر پر بیٹھا ہوا ہے، تو دل میں طرح طرح کے منصوبے باندھنے لگے،
جب یہ خچر عمر بن خطاب کے سامنے سے گزرا، تو آپ نے کہا یہ کون ہے؟
آپ کو پتہ چلا کہ ابوسفیان خچر پر بیٹھا ہوا ہے، تو کہا کیا ابوسفیان خدا کا دشمن؟
اللہ کا شکر ہے، کہ اس نے بغیر کسی معاہدہ کے مجھے مغلوب کر دیا آپ اس کو
آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور کہا مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑوں
کیوں کہ خدا نے اس پر ہمیں بغیر کسی عہد و پیمان کے قدرت عطا کر دی ہے
لیکن رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ ابوسفیان آج کی شب عباسؓ کے گھر
میں گزارے گا، جب صبح ہوئی، تو یہ حاضر کیا گیا اور اس وقت اس نے اسلام
قبول کر لیا، آپ نے اس سے درگزر فرما دیا، حضرت عباسؓ نے کہا یا رسول اللہؐ
ابوسفیان عورت پسند شخص ہے اسے آپ کچھ عطا کیجئے، آپ نے فرمایا
بے شک جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کو امان ہے،
جو کوئی اپنا دروازہ بند کر دے اسے اس کو بھی امان ہے اور جو مسجد میں داخل

ہو جائے اس کو بھی۔

ابوسفیان مکہ کی طرف تیزی کے ساتھ واپس ہو رہا ہے، ادھر لشکر
سیلاب کی طرح اس میں آگے بڑھ رہا ہے، تمام لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہا تھا، تم
خدا کی ان کے ساتھ تو مقابلہ کرنے کی قوت و طاقت نہیں، جب تو جمع ہو گئی تو
بلند آواز سے کہا اے قریش کی جماعت، یہ محمد ہیں جو تمہارے پاس آ رہے
ہیں، اب تمہارے اندر ان سے مقابلہ کرنے کی قوت نہیں، جو شخص ابوسفیان
کے گھر میں داخل ہو اس کو امان ہے، لوگوں نے کہا اللہ تجھے ہلاک کرے
ہیں تیرے گھر کی کیا پروا؟

ابوسفیان کی بیوتی ہند بنت عقبہ نے جس نے جنگ احد میں حضرت
حمزہ کا کلبہ چھپایا تھا، ابوسفیان کی وارثی پکڑ لی اور لوگوں سے کہا اس
کسخت کو قتل کر دو، ابوسفیان نے کہا لوگو! آگاہ ہو جاؤ تم کو یہ دہوکے میں نہ مبتلا
کرے، تمہارے پاس وہ شخص آ گیا ہے، جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے جو شخص
مسجد میں داخل ہو جائے، اس کو بھی امان ہے، جو شخص اپنا دروازہ بند
کر لے اس کو بھی امان ہے۔

اس سے بڑھ کر عفو و درگزر کی کوئی نظیر ہو سکتی ہے، یہ وہی ابوسفیان
ہے، جس نے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کیں اور
ظلم و ستم ڈھایا، جس نے جنگ احد میں رسول اللہ کو زخمی کیا، جس نے جنگ
خندق میں مسلمانوں کو مصیبتوں میں مبتلا کیا، یہی وہ ابوسفیان ہے جو عبدمناف
کی اولاد میں نافرمان نکلا، جس نے آنحضرتؐ اور بنو ہاشم کے خلاف مخزوم
اور یہم کی مدد کی، ایسے ظالم دشمن کو آپ نے نہ صرف معاف کر دیا، بلکہ اسکی
عزت افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اس سے بڑھ کر انعام و اکرام کی

اور کیا توقع ہو سکتی ہے کہ آپ نے اس کی زندگی بخش دی، یہی سلوک آپ نے دیگر مغلوب دشمنوں کے ساتھ روارکھا، کہ بطور انعام و عطا یلکے ان کو ان کی زندگیاں اور جاہ و حشمت بخش دیا۔

آنحضرتؐ مکہ میں داخل ہو گئے، لیکن ابو جہل کے بیٹے عکریمہ صفوان بن امیہ، ہبیل بن عمرو اور ان کی جماعت نے آپ سے جنگ کی اور شکست کھا کر فرار ہو گئے، پھر انھوں نے آپ سے امان طلب کی، آپ نے نہ صرف ان کو امان دی، بلکہ ہوازن کے مالِ غنیمت میں سے ان کو حصہ بھی دیا۔ انسانی تاریخ میں ایسی نیرخ حوصلگی، تحمل و بردباری اور عفو و درگزر کی مثال کہیں ڈھونڈنے سے مل سکتی ہے، یہی صفوان بن امیہ جنگ سے فرار ہو کر مین کی طرف جاتا ہے اور اپنے آپ کو دریا میں ہلاک کرنے کا قصد کرتا ہے، عمیر بن دھب رسول اللہؐ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یا رسول اللہؐ صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار، جو آپ سے جنگ کر کے بھاگ گیا ہے، اپنے آپ کو دریا میں ڈال کر ہلاک کرنا چاہتا ہے، آپ اس کو امان دے دیجئے، آپ نے اس کو امان دے دی، اس نے کہا یا رسول اللہؐ مجھے کوئی نشانی دیجئے، کہ میں آپ کے امان کا اس کو یقین دلاؤں، آپ نے اپنا عامہ، جس سے مکہ میں داخل ہوئے تھے، اس کو دے دیا، عمیر اس کے پاس آیا، تو وہ دریا میں کودنے کا ارادہ کر رہا تھا، اس نے کہا اے صفوان میں تجھ پر قربان جاؤں اللہ سے ڈر اور اپنے نفس کو ہلاک نہ کر، یہ دیکھ کہ میں رسول اللہؐ کی امان تیرے پاس لایا ہوں، اس نے کہا مجھے اپنی جان کا خوف ہے، اس نے کہا وہ اس سے بھی بہت زیادہ بردبار اور کریم ہیں، غرض کہ صفوان اس کے ساتھ رسول اللہؐ کی خدمت میں واپس

آتا ہے، اور کہتا ہے، کہ عیبر کا گمان ہے، کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے،
 آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے، اس نے آپ سے دو ماہ کی مہلت طلب
 کی تاکہ اس کو اسلام لانے کا موقع ملے، چنانچہ آپ نے اس کو دو ماہ کے بجائے
 چار مہینوں کا اختیار دے دیا۔

آپ صفوان بن امیہ سخت ترین دشمن کو نہ صرف امان دیتے ہیں
 بلکہ اس کے اطمینان کی خاطر اپنا عمامہ بھی جس کو بہن کر مکہ کی فتح کی تھی، روانہ
 فرمادیتے ہیں، پھر وہ اسلام یا شرک اختیار کرنے کے لئے دو ماہ کی مہلت
 مانگتا ہے، تو آپ دو ماہ کی بجائے چار ماہ کی مدت عطا فرماتے ہیں، مبادا
 اس میں جبر و اکراہ کا پہلو پایا جائے، کیا تاریخ عالم اس قسم کی مثال دستاویز
 ہو سکتی ہے، کہ قدرت اور تسلط پانے کے باوجود درگزر سے کام لیا گیا ہو
 جیسا کہ آنحضرتؐ اسلام کے بطل اعظم نے احسان و کرم اور درگزر فرمایا
 تھا۔

حارث کے بیٹے ابوسفیان نے، جس نے آنحضرتؐ کو سخت ایذا
 پہونچائی اور آپ کی بھوک کی تھی، فتح مکہ کے قبل آپ کے پاس آنے کی اجازت
 چاہی تھی، تو آپ نے فرمایا میرے پاس اس کے آنے کی ضرورت نہیں
 اس نے مجھے تکلیف پہونچائی اور میری توہین کی، ابوسفیان کے ساتھ
 اس کا بیٹا بھی تھا، اس نے کہا آپ مجھے اجازت دیں، ورنہ میں اور
 میرا بیٹا یہاں سے دور کسی جنگل میں چلے جائیں گے اور بھوکوں پیاسوں
 مر جائیں گے، آنحضرتؐ پر ان کے ان جملوں سے رقت طاری ہو گئی آپ
 نے انھیں آنے کی اجازت دے دی اور معاف کر دیا، چنانچہ اس کے
 پاسے میں وہ کہتا ہے:-

”میری زندگی کی قسم ایک وہ دن تھا کہ میں لات
 کے لشکر کو محمد کے لشکر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اپنا
 جھنڈا لہراتا تھا مگر آج میں ہدایت پا گیا ہوں۔“

جب آپ مکہ میں کعبۃ اللہ کا طواف فرما رہے تھے، تو فضالہ بن
 عمر نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ
 نے فرمایا کون؟ فضالہ؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ فضالہ! آپ نے
 فرمایا تم دل میں کیا سوچ رہے تھے؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں میں خدائے
 عزوجل کو یاد کر رہا تھا، آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا، خدا سے توبہ
 کرو، پھر آپ نے اپنا دست مبارک اس کے دھڑکتے ہوئے سینہ پر رکھا
 اس کو تسکین حاصل ہو گئی، فضالہ کہتا ہے، قسم اللہ کی جب آپ نے
 اپنا ہاتھ اٹھایا تو مجھے روئے زمین پر اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی آپ
 جیسا محبوب نظر نہ آیا۔

یہاں پر آپ کے عفو و درگزر کو پیش کرنے کے لئے ایک حبشی غلام
 کی مثال پیش کرنا ہی کافی ہے، جس نے آپ کو سنج و غم میں مبتلا کر دیا۔
 مسلمانوں میں غیظ و غضب کے جذبات پیدا کر دیئے اور آفتوں میں ان کو
 گھیرے رکھا، یہ وحشی کے نام سے مشہور ہے، اس نے حضرت حمزہ کو
 قتل کیا تھا، وحشی کہتا ہے، کہ فتح مکہ و طائف کے بعد میں رسول اللہؐ
 کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے سامنے کلمہ لا الہ الا اللہ
 پڑھا۔ آپ نے جب میری طرف دیکھا تو فرمایا کون؟ وحشی؟ میں نے کہا
 ہاں، یا رسول اللہؐ! آپ نے فرمایا بیٹھ جا اور مجھ سے یہ تو کہہ کہ حمزہ کو تو
 کس لئے قتل کیا، چنانچہ میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا، اس کے بعد آپ نے

فرمایا افسوس ہے تجھ پر، تو مجھ سے اپنا چہرہ چھپالے، تاکہ میں تجھے نہ دیکھ سکوں، وحشی کہتا ہے کہ میں آپ کے انتقال تک بھی آنحضرتؐ کے سامنے چہرہ پر نقاب ڈالے رہتا تھا، تاکہ آپ کی نگاہیں میرے چہرہ پر نہ پڑیں۔
 ضبط نفس اور عفو و درگزر کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو سکتی ہے
 ایک ایسے شخص کو جس کا چہرہ تک آپ نے دیکھنا گوارا نہ فرمایا، جو آپ کے چچا کا قاتل اور ایسا غلام ہے، جس کا خاندان و نسب غیر معروف ہے آپ معاف کر دیتے ہیں، لیکن مسلمان اس سے ایسا ہی انتقام لینے کے لئے بے تاب ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اس نے حضرت حمزہ کے قتل کے سلسلہ میں لیا تھا۔

فتح مکہ کے بعد جب لوگوں کو سکون و اطمینان نصیب ہوا تو آنحضرتؐ نے کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے فرمایا، خدا کے سوائے کوئی عبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی نصرت و امداد کی اور مشرکین کو شکست فاش عطا کی، لوگو! سنو تمام عہدے، خون، مال سوائے کعبہ کی مجادرت اور حاجیوں کی سقاہت کے یہ تمام چیزیں میرے ان دونوں پاؤں کے نیچے ہیں، اے قریش کی جماعت اللہ نے تم سے جاہلیت کا تکبر و نخوت اور آباء و اجداد کے ساتھ فخر و مباہات کو دور کر دیا ہے، لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت کی :-

یا ایہا الناس
 انا خلقناکم من ذکر و
 انشی و جعلناکم شعوباً
 اے لوگو! ہم نے تم کو ایک فرد
 اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے
 تمہارے لئے ہم نے خاندان

وقبائل لتعارفوا ان
اكرمكم عند الله
اتقاكم

اور قبیلے بنائے تاکہ تم آپس میں
ایک دوسرے کو پہچان لو بے شک
اللہ کے نزدیک تم میں سے بزرگ
وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے؛

پھر آپ نے فرمایا اے قریش کی جماعت! تم میرے بارے میں کیا
خیال رکھتے ہو کہ میں تم سے کس قسم کا سلوک کروں گا؟ بھوں نے کہا آپ
ہمارے ساتھ بھلائی اور احسان کریں گے، آپ شریف بھائی ہیں اور شریف
بھائی کے صاحبزادے ہیں، آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو، پھر آنحضرتؐ
بیٹھ گئے، حضرت علیؓ کعبۃ اللہ کی کنجی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے اٹھے اور کہا
یا رسول اللہ! تقایت کے ساتھ ساتھ حفاظت اور نگہبانی کا منصب بھی ہے
عطا فرمائیے (اس وقت تک درباری بنو ہاشم میں نہیں آئی تھی) آپ نے فرمایا
عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ ان کو طلب کیا گیا آپ نے ان سے فرمایا عثمان!
یہ کنجی تمہیں دی جاتی ہے، آج کا دن احسان اور وفاداری کا دن ہے؛
آپ کے سلوک اور حسن معاملہ کا مشاہدہ کیجئے، کہ ثقیف کا وفد
آپ کے سامنے مدینہ میں آتا ہے، جس نے اس سے پہلے لوگوں پر طرح طرح
کے مظالم ڈھائے تھے، اس وفد میں یامیل بن عمروؓ کا بیٹا بھی ہے،
جس نے آپ کو طائف میں سخت تکلیف اور اذیت پہنچائی تھی، اور
آپ کی حمایت سے صاف انکار کر دیا تھا، لیکن آپ نے ان کے ساتھ
کیسا کیا! مالک بن عوف کو تو سب سے پہلے معاف کر دیا، نہ صرف
اس کو اس کا مال اور اس کی اولاد واپس کر دی، بلکہ سو اونٹنیاں بھی
انعام میں دیں۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا، تو میں یہاں ہوا زن کا وہ واقعہ ذکر کرتا،
جس میں آپ نے ان کے قیدیوں کو رہا کر دیا تھا، ان کو اپنے اصحاب اور
رشتہ داروں سے قرض لے کر اپنے ان دشمنوں کے حوالے کر دیا جو جنگ
حنین میں اسلام کا خاتمہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

رحمتِ رافت کی روح رواں

تاریخ عرب بلکہ تاریخ عالم میں بہت سی اوال العزم ہستیاں پائی جاتی ہیں، جن کے کارنامے اور تذکرے ہمیشہ انسانوں کے کانوں میں گونجتے رہیں گے، ان کے اندر ایسی صفات تھیں، جن کے ذریعہ فلاح و کامیابی نے ان کے قدم چومے، یہی لوگ بہادر کہلاتے ہیں۔

ہم نے اسلام کے بطل اعظم کے بعض کارناموں اور صفات کو بیان کیا ہے، جن میں ہم نے ظاہر کر دیا، کہ کس طرح آپ ان تمام صفات کے حامل تھے، اب ہم آپ کی اس رحمت و رافت کو قلم بند کرتے ہیں، جس کے ادنیٰ درجہ کو بھی کوئی شخص نہ پاسکا، آپ تنگ دلتی و فراخ دلتی، قوت و ضعف، فقر و غنا غرض کہ ہر حال میں رحمت و رافت کا مجسمہ اور شفقت و محبت

کی جیتی جاگتی تصویر تھی، احسان اور بھلائی ہمیشہ آپ کی کنیز تھی اور رحمت آپ کے سامنے دست بستہ ہر وقت کھڑی رہتی تھی، آپ فرماتے ہیں۔
 ” احسان اور بھلائی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، خدا تم پر رحم فرمائے گا، جو شخص لوگوں پر مہربان نہیں، خدا بھی اپنی رحمت سے اس کو نہیں نوازتا، رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے، بدکار کے دل سے رحمت و شفقت چھین لی جاتی ہے، قرآن مجید میں آپ کی صفت اس طرح بیان کی گئی ہے:-

لقد جاءكم رسول من
 انفسكم عزيز عليه ما عنتم
 حريص عليكم وبال المؤمنين
 رؤف رحيم ؕ

تمہیں میں سے تمہارا ہے پاس
 ایک رسول آیا ہے، جس پر تمہاری
 تکلیف بہت شاق ہے، وہ تمہارا
 دل واہ ہے اور مومنوں پر
 مہربان اور شفیق ہے۔

آپ کی رحمت پوری دنیا کے لئے عام تھی، آپ مسلمانوں اور مشرکوں پر احسان اور بھلائی کیا کرتے تھے، فقروں، سکینوں اور کمزوروں کے ساتھ آپ کو بے حد محبت تھی، فقر اور کمزوری آپ کی محبت کا یہ عالم تھا، کہ آپ نے خدا سے دعا مانگی تھی، کہ زندگی اور موت کے بعد انھیں میں آپ کو باقی رکھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے، ” اے اللہ مجھے سکینوں کی حالت میں زندہ رکھ اور سکینوں کی حالت میں موت دے اور قیامت کے دن سکینوں کی جماعت کے ساتھ اٹھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا ایسا کس لئے ہے، یا رسول اللہ! وہ آپ نے فرمایا کیونکہ یہ لوگ مال داروں سے چالیس سال

پہلے جنت میں داخل ہو جائیں گے، اے عائشہؓ نہ مسکین کو خالی ہاتھ مت
 لوٹانا، کھجور کا ایک ٹکڑا ہی سہی انہیں دے دینا، اے عائشہؓ مسکینوں
 سے محبت رکھ، اور ان کی قربت میں رہ، خدا نے تعالیٰ بھی قیامت کے دن
 تجھے اپنے قریب کرے گا؟

الحاصل آپ کی زندگی فقروں کے ساتھ بسر ہوتی تھی، جو کچھ آپ
 کے گھر میں موجود ہوتا، آپ انھیں خیرات کر دیتے تھے، آپ ان پر اس قدر
 مہربان تھے، کہ ایک آدمی آپ کے سامنے سے گزرا، آپ نے اپنے
 پاس کے ایک شخص سے دریافت فرمایا اس کے بارے میں تیری کیا
 رائے ہے؟ اس نے جواب دیا، یہ شریف آدمیوں میں سے ہے، یہ
 اس قابل ہے کہ اگر کسی سے منگنی کرے، تو بیاہ دیا جائے اور اگر کسی
 کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کر لی جائے، پھر دوسرا شخص
 گزرا آپ نے فرمایا اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ فقیر آدمی
 ہے، یہ اس لائق ہے، کہ اگر وہ منگنی کرنا چاہے، تو رد کر دیا جائے، اگر
 سفارش کرے، تو نا منظور کر دی جائے، اور اگر کوئی بات کہے تو اس کو
 نہ سنا جائے، آنحضرتؐ نے فرمایا، یہ شخص روئے زمین کے تمام آدمیوں
 میں بہتر ہے؟

الغرض آنحضرتؐ اکرمؐ اپنی رحمت و شفقت اور تائیدِ ایزدی کے
 ذریعہ جو آپ کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی، فقر اور مساکین کی شان
 و عظمت اور ان کی توقیر و منزلت کو دوبالا کیا کرتے تھے، کمزوروں
 کی دست گیری اور یتیموں اور بیواؤں کی غم گساری اور ہمدردی
 میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے، نیز آپ نے ان تمام کمزور طبقات پر

احسان کیا کہ چند ہی مدت میں سوسائٹی کے نظام میں حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا، اپنی بے چارے فقیروں اور مسکینوں میں وہ روح پھونکی کہ آخر کار انہوں نے مشرق و مغرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیا۔ آنحضرت ص فرمایا کرتے تھے، "تم اپنے مسکین اور کمزور آدمیوں کو میرے روبرو پیش کرو، کیونکہ انہی لوگوں سے تم فتح و غلبہ حاصل کریں گے" آپ ان کی جماعت میں بیٹھنے کو بہت مرغوب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنی قوم کے بعض مال دار اشخاص سے گفتگو میں ایسے محو ہو گئے کہ ایک اندھے شخص کی طرف توجہ نہ فرما سکے اس وقت بطور عتاب و تنبیہ کے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

عبس وتولى ان جاء
 او عمى وما يدريك
 لعله يزيك او يذاكر فتفقه
 الذكري اما من استغنى
 فانته له تصدى هـ

یہ پیغمبر چین بحین ہو گئے اور متوجہ نہ ہوئے، اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا یا نصیحت قبول کرتا۔ پس اس کو نصیحت کرنا فائدہ پہنچاتا، جو شخص بے پروائی کرتا ہے، آپ اس کی تو فکر میں پڑے رہتے ہیں

قریش یہ دیکھ کر کہ آپ مسکینوں کی صحبت میں رہتے اور ان کے ساتھ کعبتہ اشربا تے ہیں، آپ کا مذاق اڑاتے اور کہتے: اهو لا من الله عليهم من بيننا، کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان احسان کیا ہے؟

مگر آنحضرت مساکین کے ساتھ بہت ہی مہربان اور شفیق تھے

عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 مسجد میں تشریف لائے اور فقراء کے ساتھ بیٹھے اور ان کو جنت کی خوشخبری
 سنائی، تو ان کے چہروں پر مسرت اور خوشخبری کے آثار نمایاں
 ہونے لگے، میں چونکہ ان کے گروہ سے نہیں تھا اس لئے غم زدہ سا
 ہو گیا۔

آپ نے سعد بن ابی وقاص کو مسکینوں پر اپنی بزرگی اور بڑائی
 بتاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "اس کو جو کچھ بھی بھلائی اور فتح و نصرت نصیب
 ہوگی وہ انہی مسکینوں اور فیروں کی صحبت کا فیض ہوگا، چنانچہ آپ
 کی یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوئی جب کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جنگ
 قادیسہ کے موقع پر مسکینوں کی قیادت فرمائی اور رستم کو شکست فاش دیکر
 کسریٰ کی سلطنت کو پامال کر دیا۔

مسکینوں کی وفات کے بعد بھی آپ کی رحمت اور آپ کا احسان
 ان پر برابر جاری رہتا، صحیح بخاری میں وارد ہے کہ آنحضرت نے ایک دن
 ایک حبشی کو یاد فرمایا اور پوچھا کہ وہ کہاں ہے، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ
 وہ تو فوت ہو چکا، آپ نے فرمایا تم نے کیوں نہیں اس سے پہلے اس کی
 اطلاع دی، لوگوں نے کہا وہ ایسا ایسا تھا، گویا انھوں نے اس کی تحقیر
 و مذمت کی، آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے مجھے نشان دہی کرو چنانچہ
 آپ اس کی قبر پر تشریف لائے اور نماز پڑھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلاموں کی آزادی اور ان کی شان
 و منزلت کو بلند کرنے میں بہت ہی جدوجہد فرماتے تھے، ان کی راہ میں مال و
 دولت، شہمت غرض کہ ساری چیزیں قربان کر دیتے تھے، آپ ان پر بہت

مہربان اور شفیق تھے، سب سے مشہور قصہ آپ کے غلام زید بن حارثہ کا ہے، آپ نے ان کو اپنے مالک (خود آنحضرتؐ) اور ان کے والد کے درمیان اختیار دے دیا۔ کہ جس کو چاہیں پسند کر لیں، لیکن انہوں نے آپ کو ایسے زمانے میں اپنے والد پر ترجیح دی، جب کہ آپ کے پاس نہ دولت و قوت تھی اور نہ مدافعت کا سامان، اُس وقت آپ قریش کی مصیبتوں اور اذیتوں کا شکار بنے ہوئے تھے، ایک وہ دور بھی آیا جس میں آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو غزوہ روم کو شکر روانہ کرتے وقت ہاجرین اور انہما کا قائد اعظم بنایا، جب موتہ کی لڑائی میں یہ شہید ہو جاتے ہیں، اُس وقت آپ کی عمر صرف بیس سال کی تھی، تو قریش کے بڑے بڑے لوگ صحابہ اور آنحضرتؐ آپ کے جازسے کے ساتھ تھے۔

اوپر کے واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ غلاموں کی شان و عظمت کو دو بالا کرنے کے لئے ان کے ساتھ کس قسم کا حسن سلوک کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے: "غلاموں کے ساتھ بد سلوکی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، یہ بھی آپ کا ارشاد ہے، اچھی لونڈی باعیش یسن و برکت اور بری لونڈی موجب شرم ہے۔"

خدمت گزاروں اور مزدوروں کے ساتھ آپ نہایت اچھا برتاؤ کرتے تھے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جب کوئی تمہارا خادم کھانا لائے، اگر وہ تمہارے ساتھ نہ بیٹھ سکے، تو اس کو ایک دو تھمے دے دو، معاویہ بن سوید کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس صرف ایک خادم تھا، ہم میں سے کسی نے اس کے ایک ہلکا پنچہ لگا دیا، آنحضرتؐ کو جب اس کی خبر پہنچی تو

آپ نے فرمایا ”اس کو آزاد کر دو“ آپ سے کہا گیا، کہ ان کے پاس سواکے اس کے کوئی اور خادم نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا، اس سے خدمت لیتے رہو، جب کوئی دوسرا مہیا ہو جائے، تو اس کو آزاد کر دو، ابو مسعودؓ روایت کرتے ہیں، کہ میں نے اپنے ایک غلام کو کوڑے سے مارا، میں نے اپنے پیچھے آواز سنی مڑ کر دیکھا تو آنحضرتؐ یہ فرما رہے تھے، ”اے ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے، کہ خدائے تعالیٰ اس غلام سے زیادہ تجھ پر قدرت رکھتا ہے۔“

آپ کی رحمت و شفقت کا یہ عالم تھا، کہ آپ کسی سے یہ سنا بھی گوارا نہ فرماتے تھے، کہ وہ اپنے غلام کو ”اے میرے غلام یا میری لونڈی کہہ کر پکارے آپ مسلمانوں کو اس قسم کے القاب سے پکارنے کو باز رکھتے تھے آپ کی یہ تعلیم و تربیت، غلاموں کو آزاد کرنے، ان کے اور آقا کے درمیان مساوات قائم کرنے، نخوت و غرور اور عصبیت جاہلیت کے فاسد و ردی تخیلات کو دور کر کے ان کے اندر اخوت کی روح پھونکنے کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوئی۔

معروف بن سویدؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے ابو ذر کے جسم پر ایک چادر دیکھی، اسی قسم کی چادر ان کے غلام کے جسم پر بھی تھی، میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا، کہ آنحضرتؐ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے، کہ یہ ہم تمہارے بھائی ہیں، خدانے ان کو تمہارے حوالے کر دیا ہے، جس کسی کے ماتحت اس کا بھائی ہو، تو اس کو چاہیے، کہ یہ جو کچھ کھائے اور اوڑھے اس کو بھی وہی کھلائے اور پہنائے، تم ان کی طاقت اور برداشت کو زیادہ کوئی تکلیف نہ دو، اگر کوئی مشکل کام ان کے سپرد کرو، تو تم بھی اس میں

ان کی اعانت کرو اور ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، آپ نے مجھے کبھی آفت تک نہیں کہا، آنحضرتؐ مسکینوں، خدمت گزاروں اور غلاموں سے میل جول رکھتے تھے، ان سے خندہ پیشانی سے گفتگو فرماتے، ان کی دعوت قبول کرتے، ان کے بیماروں کی عیادت پر سہمی کے لئے تشریف لے جاتے، ان کے جنازوں میں شریک ہوتے اور ان کے موتی پر نماز پڑھتے تھے۔

شریعت محمدیہ نے بیت المال میں سے غلاموں کی آزادی کا بھی حصہ مقرر فرمایا ہے، آنحضرتؐ غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس کو کچھ دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ کوئی معاملہ کرے یا کسب معاش کا ذریعہ ڈھونڈھے۔

آپ کی رحمت و شفقت اور احسان اور بھلائی نہ صرف انسانوں تک ہی محدود تھی، بلکہ آپ جانوروں پر بھی نرمی اور رحم فرماتے تھے، عربوں میں جانوروں اور انسانوں سے متعلق بے شمار رذیل عادات اور انسانیت سوز حرکات پائی جاتی تھیں، آپ نے ان تمام کا سدباب کیا اور نفرت و بے رحمی کے جذبات کو ان سے دور کر دیا، وہ لوگ زندہ حیوانات کے بدن سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر بھون لیا کرتے اور ان کو کھاتے تھے، چنانچہ آپ نے اس بے رحمانہ فعل کو حرام قرار دیا۔ آج کل بھی صحرا و کبریٰ میں ایسے گروہ پائے جاتے ہیں جن میں اس درد انگیز فعل کی خوب پائی جاتی ہے، جب وہ کسی جنگ کے لئے نکلتے ہیں اور ان کو دور دراز ملک کا سفر کرنا پڑتا ہے تو اونٹ کے پیچھے لگا کر اس کا خون چوستے پھر اس کا گوشت پکا کر کھاتے ہیں، یا اس کی کوبان چیر کر اس کی چربی نکال کر کھایتے ہیں اور کوبان کو سی دیتے ہیں چنانچہ

آپ نے اس ایذا رساں فعل سے منع فرمایا، عرب اپنے جانوروں پر تیر آزمانی کرتے اور گھوڑوں کی دُمیں کاٹ دیتے تھے آپ نے ان تمام حرکات سے روکا، ایک مرتبہ آپ نے ایک اونٹنی کو بھوک پیاسی بندھی ہوئی پایا تو آپ نے اس کی رسی کھول دی اور اس کو چھوڑ دیا اور لوگوں کو نصیحت کی کہ جانوروں کے معاملہ میں حذر کرتے رہیں۔

آنحضرتؐ نے اس معاملہ میں بے شمار مثالیں بیان فرمائی ہیں آپ نے فرمایا کہ ایک آدمی سفر کر رہا تھا، کہ اثناءِ راہ میں اس کو سخت پیاس محسوس ہوئی اس نے ایک کنواں دیکھا، اس میں اتر کر پانی پیا، باہر نکلنے کے بعد اس نے دیکھا، کہ ایک کتاب پیاس کی غددت سے بہتا ہے، تاب ہے، زبان باہر نکالے ہوئے، مٹی چاٹ رہا ہے، اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے جیسی پیاس لگی تھی، ویسی ہی اس کے کو بھی لگی ہے وہ کنویں میں اتر اور موزہ میں پانی بھر کر کتے کے منہ میں ڈالا، کتاب سیراب ہو گیا، اس شخص نے خدا کا شکر ادا کیا اس کے گناہ معاف ہو گئے۔

لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہؐ، کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی ہیں ثواب ملے گا، آپ نے فرمایا ”ہر زندہ شئی میں ثواب ہے“ آپ نے فرمایا ایک عورت بتی کو باندھے رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو گئی، نہ اس نے اس کو کچھ کھلایا اور نہ ہی اسے کھلا چھوڑا تا کہ یہ زمین کے کپڑے کوڑے کھا کر اپنی بھوک رفع کرتی۔

یہ تمام تمثیلات آنحضرتؐ نے ان لوگوں کے روبرو پیش کیں جن کو گمان تھا، کہ حیوانوں کے ساتھ سلوک کرنے میں ثواب نہیں ملتا، مسلمانوں کے نفوس میں ان صفات کی وجہ سے نرمی اور رحم دلی کے جذبات پیدا ہو گئے

اور مشرق و مغرب میں جو لوگ ان کے اثرات و تعلیمات سے فیض یاب ہوئے، ان میں ایک نمایاں اثر اور حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی، جاہلیت میں یہ بھی طرحی راج تھا، کہ اپنے جانوروں کی پٹیہ کو منبر بنا لیا کرتے تھے، آپ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا، اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جانور اس لئے مسخر کئے ہیں، کہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو پہنچ سکو، اُس نے تمہاری حاجتوں کو بر لانے کے لئے زمین بنائی ہے، تم اس میں اپنی ضرورتوں کی تکمیل کرو۔

آپ کی رحمت و شفقت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ چھوٹے پرندوں تک کو کوئی گزند پہنچانا گوارا نہ فرماتے تھے، عبدالرحمن بن عبداللہ کہتے ہیں، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، ہم نے ایک سُرخ پرندہ کو دیکھا، جس کے ساتھ اس کے دو چھوٹے بچے بھی تھے، ہم نے اُن کو پکڑ لیا، اُن کی ماں بھڑ بھڑاتے ہوئے آئی، آنحضرتؐ جب تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کس نے ان کی ماں کو صدمہ پہنچایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔

آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ آپ اونٹ پر بیٹھی ہوئی، اُس پر سختی کا برتاؤ کر رہی تھیں، آپ نے فرمایا، "جو نرمی نہیں کرے گا وہ اپنے اوپر اپنی بھلائی حرام کرے گا۔"

انسانوں اور جانوروں کے ساتھ آپ کی رحمت و اُنس کا یہ تقاضا تھا، کہ جب آپ کسی بچے کو دیکھتے یا اس سے ملتے تو محبت اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے سے نمایاں ہونے لگتے تھے، کبھی کبھی آپ اپنے صحابہ کے بچوں کو اٹھا کر کھلایا کرتے تھے، جب لڑکوں پر سے گزرتے تو ان پر

سلام کرتے تھے، جابر بن سمرہ حدیث بیان کرتے ہیں، کہ بنی اکرم نے لوگوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا، تو آپ بھی ان کے ساتھ دوڑنے لگے، جب کبھی کوئی ردا کا آپ کو راستہ میں مل جاتا تو آپ اس کو خوش کرنے کے لئے اپنی اونٹنی پر بٹھالیتے تھے، والدین سے بڑھ کر آپ کو بچے پیارے تھے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں، کہ یہ نہیں پتہ چل سکا کہ آنحضرتؐ سے بڑھ کر اپنے اہل و عیال کو چاہنے والا کوئی ہوا ہو، اسامہ بن زید کہتے ہیں، کہ جب میں بچہ تھا، تو رسول اللہؐ مجھے اٹھالیتے اور اپنے ایک زانو سے مبارک پر بٹھاتے اور حسنؓ کو اپنے دوسرے زانو پر پھر ہم دونوں کو بچھنچ کر فرماتے، "اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما کیوں کہ میں ان پر رحم کھاتا ہوں اور ان سے پیار کرتا ہوں، بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اعراب نے آنحضرتؐ کو خود اپنے اور اپنے صحابہ کے بچوں کو محبت اور پیار کرتے ہوئے دیکھا، تو بہت تعجب کیا، ایک مرتبہ اقرع بن حابس نے آپ کو دیکھا، کہ آپ حسینؓ کو بوسہ دے رہے ہیں تو کہا یا رسول اللہؐ! میرے دس بچے ہیں آج تک میں نے کسی کو پیار نہیں کیا اس قسم کے سوالات بعض لوگ آپ کی غیر معمولی شفقت و محبت پر کرتے رہتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بے رحمی، سنگ دلی اور قسادت قلب سے منع فرماتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کیا آپ لوگ بچوں کو پیار کرتے ہیں؟ مگر ہم تو ان سے کبھی پیار نہیں کرتے، آپ نے فرمایا، "جب خدا نے تیرے دل سے شفقت و رحمت چھین لی ہے، تو میں تھوڑے ہی اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہوں۔"

آپ کے جذبہ رحمت کا یہ اثر تھا کہ آپ پر جس طرح مسرت و خوشی کے آثار و جذبات ظاہر ہوتے، اس طرح آپ کا دل حزن و ملال کی کیفیات و تاثرات

میں ڈوب جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، سنگ دل و ستمگار لوگ
 آپ کی رقتِ قلب اور فراوانیِ شفقت پر تعجب کرنے لگتے، آپ ان کو ظاہر
 کرتے کہ یہ بھی رحمت کی ایک قسم ہے جس میں کوئی عیب و نقص نہیں۔
 آپ کی ایک صاحبزادی کی وفات ہو گئی، تو آپ کا دل کھل رہا تھا
 اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے، سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ
 یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے
 دل میں پیدا کی ہے، خدا اپنے رحم دل اور شفیق بندوں پر رحم کرتا ہے۔"
 سعد جب بیمار پڑ گئے، تو آنحضرتؐ ان کی عیادت کے لئے تشریف
 لے گئے، دیکھا کہ یہ اپنی بیوی کی آغوش میں پڑے ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا
 کیا وفات پا گیا؟ لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ روئے اور فرمایا
 سنو! اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو جاری ہونے اور دلفکار و غم زدہ ہونے
 کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، بلکہ — اپنی زبان کی طرف اشارہ
 کرتے ہوئے فرمایا — اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے۔"
 یہ رحمت نہ صرف چھوٹوں بڑوں اور مومنوں کے ساتھ مختص تھی بلکہ
 دیگر ادیان و ملل کے دشمنوں، مشرکوں اور مخالفوں پر بھی شامل تھی، کسی
 جنگ میں ایک بچہ قتل کر دیا گیا، آپ کو سن کر بہت ہی صدمہ ہوا، بعضوں نے
 آپ سے کہا یا رسول اللہ! آپ کیوں اس قدر غم زدہ ہیں، وہ تو مشرکین
 کا بچہ تھا، آپ برا فرد ختم ہو گئے اور فرمایا تم کیا کہتے ہو کیا تم ان سے بہتر ہو گئے
 وہ تو اپنی فطرت پر ہیں، تم بچوں کو قتل کرنے سے پرہیز کرو، تمہیں بچوں کو
 قتل نہ کرنا چاہیے۔"

امام بخاری نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے، کہ ہمارے

ساتھ سے ایک جنازہ گزرا، آنحضرتؐ اٹھ کھڑے ہوئے، آپ کے ساتھ تم بھی اٹھ گئے، ہم نے کہا یا رسول اللہ! وہ تو یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا کیا وہ انسان نہ تھا؟ جب کوئی جنازہ تمہارے روبرو سے گزرے تو تم اس کے لئے اٹھ جاؤ، جب نجاشی نے وفات پائی، تو آپ نے اپنے اصحاب کو اس کی خبر مرگ سنائی، پھر آگے بڑھے لوگوں نے آپ کے پیچھے صف باز ہوئی آپ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔

آپ کی یہ وہ رحمت شاملہ ہے جو کسی وطن، یا دین، یا ملت و گروہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، آپ کے نظر میں انسان و حیوان کے ساتھ سلوک اور حسن معاملہ کرنے میں کوئی فرق نہیں تھا۔

بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ اپنے دشمنوں پر ملامت اور لعنت بھیجیں، آپ نے فرمایا میں لعنت بھیجنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ سرِ اُپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، جب عبد اللہ بن ابی بن سلول کی وفات ہوئی، جو مدینہ میں منافقوں کا سردار تھا، جس نے جنگ اُحد میں اپنے ساتھیوں کو واپس لوٹا لیا، اور آنحضرتؐ کو ایذا میں پہنچانے اور آپ کو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، تو اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے آنحضرتؐ سے آپ کی قمیص اس کی تجمیز و تکفین کے لئے طلب کی، آپ نے منافقین کے سرِ غنہ کے لئے اپنی قمیص مبارک اتار کر دے دی، کیا اس قسم کا سلوک و احسان آج تک کسی نے اپنے دشمن جانی کے لئے کیا ہے؟ یہی نہیں بلکہ آنحضرتؐ اس کی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، عمر بن خطاب یکایک آپ کے روبرو آئے اور کہا کیا آپ ابن ابی پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں حالانکہ اس نے ایک دن آپ کی شان میں ایسا اور ایسا کہا تھا، یہ الفاظ

حضرت عمرؓ بار بار وہہا رہے تھے، آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اے عمرؓ خاموش رہ! حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے جملہ کو آپ کے روبرو بار بار لوٹنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اس امر میں اختیار دیا گیا ہے، لہذا میں نے اس کو اختیار کیا، اگر مجھے معلوم ہو جاتا، کہ ستر مرتبہ سے زیادہ اس کی مغفرت کی دعا کروں، تو اس سے بھی زیادہ مغفرت کی دعا کرتا پھر آپ وہاں سے واپس لوٹ گئے۔

استغفار اور عدم استغفار کے بارے میں منافقین کی شان میں یہ آیت نازل ہوتی ہے:

خواہ تو ان کی مغفرت طلب کرے
یا نہ طلب کرے، اگر ستر بار بھی ان
کے لئے مغفرت چاہے تب بھی
ہرگز اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔

استغفرہم اولا
تستغفرہم ان تستغفر
لہم سبعین مرة فلن يغفر
الله لہم

جب آپ کو اس معاملہ میں اختیار دیا گیا، تو آپ کی رحم پرور طبیعت میں اپنے دشمنوں کے استغفار کے لئے ایک ولولہ سا پیدا ہوا، یہاں تک آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان کی مغفرت کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں، تب بھی اس سے زیادہ کے لئے میں تیار ہو جاتا“

یہ وہ رحم دلی اور شفقت کا جذبہ ہے، جو اپنے دشمنوں دوستوں اور تمام لوگوں کے لئے وسیع و عام تھا۔

آپ نے ایک مرتبہ ایک اعرابی کو جو آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”اے اللہ مجھ پر اور محمد پر رحم فرما اور ہمارے سوا کسی پر رحم نہ کر“ جب آپ سلام پھیر کر فارغ ہوئے، تو فرمایا ”تو نے رحمت کے وسیع دائرہ کو تنگ کر دیا“

یہ اور اسی قسم کی مذکورہ بالا مثالوں سے، جن کو آنحضرتؐ کی رحمت و شفقت کے بارے میں ہم نے پیش کیا ہے، واضح ہوتا ہے کہ آپ کی رحمت و شفقت، رقت و رافت نہ صرف اپنے گھر اور خاندان والوں کے ساتھ مخصوص تھی، بلکہ تمام دنیا کو گھیرے ہوئے تھی، یہی وہ وسیع و غیر محدود رحمت ہے، جس کی وجہ سے آپ اپنے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کرتے ہیں۔ حالانکہ جنگ اُحد میں آپ سخت زخمی کئے گئے تھے، صحابہ نے آپ کو اپنے دشمنوں پر بددعا کرنے کے لئے زور دیا تھا، یہ وہ عالم تھا کہ آپ کے چچا حمزہ کے ساتھ انسانیت سوز حرکات روا رکھی گئی تھیں، ان کے ہاتھ پیر اور کان کاٹ دیئے گئے تھے، آپ کے انصار میں سے بعض مقتول اور بعض زخمی ہو گئے تھے، یہی وہ رحمتِ کاملہ ہے، جس نے ثقیف والوں کے لئے طائف میں دعا کرنے پر آمادہ کیا، حالانکہ انھوں نے آپ کی حمایت سے انکار کر دیا تھا، اور آپ کو سخت ایذا میں پہنچائی تھیں، اسی شفقت و محبت کا تقاضا تھا کہ جس نے قریش کی تجارت اور آمد و رفت کے لئے یمامہ و شام کے راستے بے خوف و خطر کھول دیئے تھے، جب کہ انھوں نے آپ سے صلہ رحمی کی بھیک مانگی اور اپنے اہل و عیال کے فقر و فاقہ کی بے تابہوں کی شکایت کی تھی، اور یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے آپ کو اپنے گھر سے نکال دیا تھا اور مدینہ میں آپ کا محاصرہ کر لیا تھا۔

آنحضرت کی رحمت و شفقت اور آپ کے احسان و کرم سے دوست
 و دشمن، قوی و کمزور، آزاد و غلام اور جانور تک فیض یاب ہوئے، آپ کا
 دل اسی رحمت کے جذبہ سے معمور تھا، اس کے نتیجے میں آپ کے چہرہ پر سرت
 کی لہریں دوڑنے لگتی تھیں، آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لہریں بھی جاری
 ہو جاتی تھیں، آپ کے ہاتھوں میں جو دو کرم کا سمندر تھا ٹھہیں اترتا تھا،
 یہی وسیع ترین رحمت آنحضرت کے ظاہر و روشن صفات میں سے ہے،
 جو اپنی جانب تمام مشاہیر اور بہادروں کو کھینچتی رہے گی، اور یہ بہادر جذبہ
 رحمت میں آپ سے سبقت لے جانا چاہیں گے، لیکن ایک قدم بھی آگے
 نہ بڑھ سکیں گے، اور آنحضرت اس صفت میں تنہا تمام کے پیشوا اور قائدِ عظیم
 تسلیم کئے جائیں گے۔

فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ

بطل، عظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تھے، آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، جو کچھ آپ کو بہ طور الہام عطا کیا گیا، اس کی تفصیل کتاب اللہ میں ہے، اس کے علاوہ آپ کے جو اقوال و آثار ہیں، وہ آپ کی عقل سلیم اور پاکیزہ زبان کے نتائج و ثمرات ہیں، آپ کے کردار و گفتار کی حقیقی تصویر تا ابد جھلکتی رہے گی اور آپ لوگوں کے پیشوا اور فصاحت و بلاغت کے امام تسلیم کئے جائیں گے، جس شخص میں یہ تین اہم امور انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، وہ تاریخ عالم کی بے مثال ہستی تصور کیا جائے گا!

(۱) مختلف قبائل اور متضاد خاندانوں کو متحد و منظم کر کے ایک جماعت بنا دینا۔

(۲) ایک ایسی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا، جو چاروں عالم میں تمام حکومتوں اور سلطنتوں کا مرکز بن جائے اور صدیوں تک برقرار رہے، چنانچہ مشرق و مغرب میں جہاں بھی آل ہاشم نے سلطنت قائم کی، اس کے اثرات کم از کم ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک برقرار رہے۔

(۳) دنیا کے سامنے ایک ایسا دین پیش کرنا، جس کو عرب و عجم سیاہ و سپید غرض کہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں ماننے والے موجود ہوں۔
چنانچہ یہ تین عظیم الشان مقاصد آپ میں جاوہ گر تھے، جن کی تکمیل وحی کے بعد آپ کی شستہ و شیریں زبان، فصیح و بلیغ انداز، عقل فہیم اور طبع سلیم کے ذریعہ ہوئی۔

تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کو ایسا آسان اسلوب تفہیم اور معجز طرز بیان عطا کیا گیا تھا، جو کسی معلم و مصلح کو نصیب نہ ہوا، آپ عربی زبان کے مالک تھے، آپ کا ہر لفظ معانی کا مخزن، ہر کلمہ حقایق سے لب ریز، ہر قول حکمتوں کا سرچشمہ، اور ہر جملہ لطافت و فصاحت کا منظر تھا، جو تصنع اور خود ساختگی کے شائبہ سے پاک تھا۔

ایک دن آپ کے صحابہ نے عرض کیا، ہم نے آپ سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا، اس میں کیا شک ہے، قرآن تو میری اپنی زبان میں نازل کیا گیا ہے، آنحضرتؐ نے اپنی فصاحت کی توجہ اس طرح تعبیر پیش کی کہ آپ قریش میں پیدا ہوئے اور بنو سعد میں پرورش پائی، اس سے آپ کی مراد یہ تھی، کہ آپ کے اندر وہ بات کے جرارت آمیز انداز اور شہر کے لطافت بخش آثار موجود تھے، آپ کا قریش میں پیدا ہونا اور بنو سعد میں نشوونما پانا اس پہلو پر روشنی ڈالتا ہے، کہ

آپ میں عرب کے ہر قبیلہ و گروہ کو اپنے لہجہ سے مخاطب کرنے کی قدرت پائی جاتی ہے، آپ ایسے دلکش انداز، بلیغ اسلوب اور شستہ زبان میں کلام فرماتے کہ سننے والا، خواہ وہ قحطان یا عدنان کا ہو، یا جنوبی جزیرہ کا، خواہ وہ شمالی حجاز کا باشندہ ہو، یا تہامہ یا نجد کا، خود بخود آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے اعتراف کرنا پڑتا کہ آنحضرتؐ فصاحت و بلاغت کے امام ہیں۔

آپ کی گفتگو بہت روشن، صاف اور واضح ہوتی، اس میں خشوع و زوائد، ابہام اور اشتباہ کو دخل نہ ہوتا، آپ کی مجلس میں سے ہر شخص اس کو یاد کر سکتا تھا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح تیز گفتگو نہیں فرماتے تھے، بلکہ آپ رک رک کر صاف اور واضح کلام فرماتے تھے، آپ کے قریب بیٹھا ہوا ہر شخص اس کو محفوظ کر لیتا عائشہؓ سے ایک اور روایت ہے، کہ آپ اس طرح گفتگو فرماتے تھے، کہ اگر کوئی شخص اس کی شمار کرنا چاہے، تو شمار کر سکتا تھا۔

عرب کی قوموں کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا، اس غرض کے لئے ان کے بڑے بڑے میسلے ہوا کرتے، جہاں وہ اپنے باہم ادبی مظاہر کیا کرتے تھے، جس کے اشعار لا جواب ہوتے، ان کو جلی حروف میں لکھ کر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کیا جاتا تھا، ایسے لوگوں کے درمیان آنحضرتؐ بسوٹ ہوئے، اور فصاحت و بلاغت کے ایسے جوہر دکھائے، جن کی آبتاب سے عرب کے فصاحت کے دعویداروں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، انہی عربوں میں خواہ وہ جاہلیت کے ہوں یا اسلامی دور کے، ابو بکرؓ قریش میں باعتبار حسب و نسب بہت ممتاز تھے، یہ بھی آنحضرتؐ کی فصاحت و بلاغت پر حیرت کرتے تھے، ایک دن ابو بکرؓ نے عرض کیا میں عرب کے گلی کوچہ اور

یہاں کے بازار گھوم چکا ہوں فصحاء کے بلیغ سے بلیغ کلام کو بھی سن چکا ہوں،
 لیکن آپ کی فصاحت و بلاغت کے مقابلہ میں سب کو بیچ پایا۔ یہ ادبی شان
 آپ میں کس نے پیدا کی، کس نے آپ کو یہ معجز بیانی سکھا دی؟ آپ نے
 فرمایا میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اعجاز بیان سے آراستہ و پیراستہ
 کیا، آپ کی فصاحت کی یہی سچی تفسیر ہے، کیوں کہ آنحضرتؐ فطری طور پر فہیم و
 ذکی تھے، آپ کو من جانب اللہ غیر معمولی فہم و بصیرت، عقل سلیم اور طبع مستقیم
 عطا ہوئی تھی جو آپ کے ہر قول و فعل میں جلوہ گر نظر آتی تھی۔

باخط، جو عربی ادب میں بہت بلند درجہ رکھتا ہے، آنحضرتؐ کے فصیح
 و بلیغ کلام کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے:-

”خدا نے آپ کے کلام میں لطافت و محبت کی چاشنی

پیدا کی تھی اور اس کو قبولیت کا شرف عطا کیا تھا، اس
 میں شیرینی، دل آویزی اور شستگی بھی جمع کی تھی،
 باوجود کلام کی تکرار اور سننے والے کو اعادہ کی عدم حاجت
 کے، نہ آپ کے کلام کا وقار اور توازن گھٹتا نہ کسی کلمہ میں
 لغزش ہوتی، آپ کی بلاغت کا نہ کوئی دشمن مقابلہ کر سکا،
 اور نہ کسی خطیب کو آپ کی فصاحت کی ہمسری کی ہمت
 ہوئی، آپ طول طویل خطبوں کو موجز و محمل کلام میں بیان
 فرما دیتے، آپ نے صداقت و واقعیت کو کبھی اپنے
 ہاتھ سے جانے نہ دیا، آنحضرتؐ کے کلام میں جس قدر
 راست بازی، انصاف پسندی، نفع رسانی اور وزن
 و وقار کا پہلو غالب تھا، اتنا کسی اور کے کلام میں

ناپید تھا۔

اب ہم نبی اکرم کے ان اقوال و کلمات سے جو مختلف مواقع پر استعمال کئے گئے جن میں بے شمار معانی و حقایق پوشیدہ ہیں "مشتے نمونہ از خرواری" پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کی فصاحت و بلاغت کا سمندر کس قدر پائرب اور ذخارتھا، صدیاں گزرنے پر بھی اس قسم کی جودت طبع اور طاقت سانی و معجز بیانی کا ثبوت کوئی شخص نہیں پیش کر سکتا۔ آنحضرت فرماتے ہیں "میرے پروردگار نے مجھے نو چیزوں کا حکم دیا ہے۔"

(۱) خنیہ و علانیہ حالت میں اور خلوت و جلوت میں خدا سے ڈرنا۔

(۲) غصہ اور خوشی کے وقت عدل و انصاف کو ملحوظ کرنا۔

(۳) فتر اغنا میں میاں روی اختیار کرنا۔

(۴) جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس سے صلہ رومی کروں۔

(۵) جو مجھے محروم رکھے میں اس پر بخشش و احسان کروں۔

(۶) جو مجھ پر ظلم و ستم ڈھائے میں اسے درگزر کروں۔

(۷) میرے ارادہ میں غور و فکر ہو۔

(۸) میری زبان پر ذکر خدا ہو۔

(۹) میری نظر سراپا عبرت ہو۔

لوگوں نے آنحضرت کی تلوار پر یہ کلمات لکھے ہوئے پائے

"تجھ پر جو ظلم کرے، تو اس کو معاف کر دے، جو تجھ سے رشتہ توڑ لے،

تو اس کو جوڑ دے جو تجھ سے بدی کرے تو اس پر اچھائی کا سلوک کر، ہمیشہ
حق بات کہہ، خواہ اپنی ذات پر ہو۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں، میں آنحضرتؐ کا ردیف تھا، آپ نے
ارشاد فرمایا اے لڑکے! اللہ کی حفاظت کر، خدا تیری حفاظت کرے گا! حق
کی حفاظت کر، خدا کو تو اپنے قریب پائے گا، خوش حالی میں اللہ کی حمد و ثنا کر
تنگ دستی اور مصیبت کے وقت وہ تیری تعریف کرے گا۔ اگر تجھے کسی
چیز کی حاجت ہے، تو تو اسے اللہ ہی سے مانگ، اگر تجھے امداد و اعانت
درکار ہے تو خدا ہی سے طلب کر، خدا نے جو چیز تیرے ہاتھ میں نہیں لکھی
اگر تمام لوگ بھی مل کر تجھے کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں، تو ان سے نہ مانگے گا۔
قلم خشک ہو گئے اور دفتر تہہ کر دیئے گئے، اگر تیرے اندر تسلیم و رضا کے
ساتھ اللہ کے لئے عمل کرنے کی قوت موجود ہے، تو تو اسے درگزر، اگر تجھ
میں اتنی قدرت نہیں تو مصیبت پر صبر کرنے میں بہت بہتری ہے، کامرانی
و فتح صبر و عزیمت سے اور راحت و آسائش مصیبت و تکلیف ہونے کے
بعد حاصل ہوتی ہے، ہر تنگی کے بعد کشادگی اور ہر مشکل کے بعد آسانی
ہے اور تنگ دستی و مشکل ہرگز خوش حالی اور آسانی پر غالب نہیں
آسکتی۔

ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا، "تو جہاں کہیں ہو
خار سے خوف کر، بدی میں نیکی اور احسان کر، کیوں کہ بطلانی برائی کو مٹا دیتی
ہے، لوگوں سے حسن و خلق، اور نیک سلوک سے پیش آ۔"

ابن عمر بن عباسؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
و سلم نے فرمایا، "یہ دو خصلتیں جس شخص میں پائی جائیں گی، اللہ تعالیٰ

اس کے نام کے ساتھ صابر و شاکر لکھے گا، جس شخص میں یہ صفات نہ پائی جائیں وہ نہ شاکر کہلایا جائے گا اور نہ صابر۔

۱۱) جس شخص نے اپنے دین میں بڑے آدمی کو دیکھا اور اس کی اقتدا کی۔

۱۲) جس نے اپنی دنیا میں اپنے سے کم مرتبہ شخص کو دیکھا اور اس کے فضل و احسان کی حمد و تعریف کی۔

حضرت عندیہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی شخص خود کو ڈانوا ڈول نہ ثابت کرے، (یعنی وہ شخص جو اپنی کمزوری کی وجہ سے نہ دوسروں کی رائے پر چلتا ہے اور نہ اپنی رائے پر ثابت قدم رہتا ہے) جو یہ کہتا ہے، کہ میں لوگوں کے ساتھ ہوں، اگر کوئی بھلائی کریں تو میں بھی احسان کروں گا، اگر وہ برائی کریں، تو میں بھی بدی کروں گا، لیکن تم اپنی رائے میں مستقل رہو، اگر لوگ بھلائی کریں تو تم بھی ان کا اتباع کرو، اگر وہ برائی کریں، تو تم ان کی بدی سے احتراز کرو۔

حضرت معاویہؓ نے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہؓ کو ایک خط میں لکھا کہ تم مجھے ایک جامع اور مختصر خط لکھو جس میں میرے لئے کچھ وصیت ہو، چنانچہ انھوں نے ان کو لکھا، تم پر سلام ہو، بعد حمد خدا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فراتے ہوئے سنا ہے، کہ جو شخص لوگوں کو ناخوش رکھ کر خدا کو رضا مند رکھے گا، خدا کے تعالیٰ اس کو لوگوں سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لے گا، اگر اللہ کو ناخوش رکھ کر لوگوں کی خوشنودی تلاش کریگا تو خدا اپنا ذمہ اس سے اٹھالے گا، اور لوگوں کے رحم و کرم پر اسے چھوڑ دیتا، والسلام علیک؟

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا، انسان کے اندر یہ چیزیں نہایت بُری ہیں بجلی جو ہلاک کر دے اور وہ بزودی جو مصیبت میں ڈالے، تم ظلم کرنے سے بچتے رہو، کیوں کہ ظلم قیامت کے دن کی ظلمتوں میں سے ہے، بخل سے بھی پرہیز کرو کیونکہ بجلی نے تمہاری گزشتہ قوموں کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو خون ریزی اور ہتک حرمت پر آمادہ کر دیا، نیز آپ نے فرمایا، خدا نے تمہارے لئے تین چیزیں مذموم قرار دی ہیں؛ "وقیل وقال، اضعاف مال اور کثرت سوال" نیز آپ نے فرمایا تم اپنے کسی بھائی کو گالیاں نہ دو، ایسا نہ ہو کہ خدا اس کو معاف کر دے اور تمہیں مصیبت میں مبتلا کر دے، نیز آپ نے ارشاد فرمایا، کیا میں تمہیں بتاؤں تم میں سے بُرا شخص وہ ہے جو تنہا کھائے، اپنے غلام پر تازیانے لگائے اور اس پر رحم نہ کرے۔"

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عن قریب وہ دور آئے گا جب کہ تو ایسی قوم کو دیکھے گا، کہ ان کے ہاتھوں میں گائے کی دُمیں ہوں گی اور وہ خدا کے غضب میں صبح و شام کریں گے نیز آپ نے فرمایا، دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں، ایک وہ جن کے پاس گائے کے دُموں کی طرح کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو مارتے رہیں گے دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہو گا، جو اوڑھی ہوئی ہیں، مگر ننگی ہیں، لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے والی اور خود ان کی طرف مائل ہونے والی ہیں، ان کے سر اڈنٹ کے

کو بان کی طرح ہوں گے، وہ جنت میں داخل ہوں گی؛ نہ اس کی بوہی سونگھ سکیں گی، نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے، دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگوں کو نقصان پیش ہوتا ہے، ایک تندرستی، دوسری فارغ البالی۔

اس معنی خیز اور حقیقت پر ورکلمات میں غور کیجئے اور دیکھئے کہ اُن کے اندر کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں :-

”اس شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں، جو تمہیں ویسا نہ بچائے جیسا کہ تم اس کو چاہتے ہو؛“ لوگ اپنے زمانے سے مشابہت رکھتے ہیں۔“ میری اُمت جب تک امامت کو غنیمت اور صدقہ کو فرض نہ سمجھے، بھلائی پر رہے گی۔“ بخل کی اطاعت کیشی، نفسانی خواہشوں کی پیروی اور خود پسندی سے بچتے رہو، کیونکہ یہ چیزیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔“

آنحضرتؐ ایک منصف مزاج اور حقیقت پسند خطیب تھے، اپنی بصیرت افروز حقیقتوں کو لوگوں کے دلوں اور کانوں تک اس انداز میں پہنچاتے، کہ وہ ان میں شریعت کر جاتیں، آپ رنگین کلامی اور فضول باتوں اور لفاظی سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کرنے کا کبھی قصد نہ فرماتے تھے، آپ خواہ مخواہ کی نصاحت چھانٹنے، منہ بنا بنا کر گفتگو کرنے کو نہایت ناپسند جانتے تھے، آپ کی گفتگو حد درجہ واضح اور ظاہر ہوتی جو دل و دماغ میں فوراً اثر انداز ہو جاتی، آپ طویل طویل خطبے ایجاز و اختصار کے ساتھ دیا کرتے جو حشو و زوائد سے خالی ہوتے تھے، حاصل کلام یہ کہ آپ کے کلام میں ایجاز کا بل کے ساتھ ایجاز اکمل بھی پایا جاتا تھا۔

ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ہمیں عید کی نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، قیام قیامت کے متعلق جس قدر شواہد و آثار تھے وہ تمام ہمارے روبرو پیش کئے، بعضوں نے اس کو یاد کر لیا اور بعض بھول گئے، آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا ”دنیا ایک دلکش سبز باغ ہے، خدا نے تمہیں دنیا کا خلیفہ اور اپنا نائب بنایا ہے، وہ دیکھ رہا ہے، کہ تم کیسا عمل

کرتے ہو، سنو! دنیا سے بچتے رہو، غور قوں کے معاملہ میں احتیاط برتو، جب کسی شخص کو حق بات کا علم ہو جائے، تو اس کو بلا خوف و خطر کہہ دے اور لوگوں کے خوف کا اندیشہ نہ کرے، آگاہ ہو جاؤ! ہر فریبی اور غدار کے لئے قیامت کے دن اُس کے دھوکے اور فریب و غدر کے مطابق ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، فرمانِ امام کے دھوکے سے بڑھ کر اور کوئی غذا نہیں ہے، غصۂ انسان کے دل میں گویا ایک چنگاری ہے، جس سے اُسکی دونوں آنکھیں سُرخ انگارہ ہو جاتی اور رگیں پھول جاتی ہیں، اگر اس کا احساس ہونے لگے تو اپنے مقام سے اٹھ جانا چاہیے!

پھر ذرا اس خطبہ کو بھی ملاحظہ کیجئے، جس کو آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفہ کے میدان میں ایک لاکھ آدمیوں کے مجمع کے سامنے دیا، جو زندگی کے اکثر و بیشتر بنیادی امور اور شریعت کے ٹھوس اصول پر حاوی و محیط ہے، اس کے اندر آپ نے جاہلیت کے رسم و رواج کو مٹا دیا، باہم مساوات قائم کیا، انتقام کے پست ترین جذبات کو فنا کر دیا اور عصبیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کو، جو عربوں میں آنا فانا صرف ایک جھونکے سے بھڑک جایا کرتی تھیں، ایک دم بجھا دیا، اسی طرح سود کو بھی حرام کر دیا، غور کی شان و منزلت بڑھائی، فتنہ و فساد، لوٹ مار، اور آپس کے جنگ و جدل کو، جو عربوں کے عزت و وقار کا سرمایہ تصور کیا جاتا تھا، مطلقاً حرام قرار دیا، حرمت و اسلئے ہینیوں کو حلال کیا اور حلال و حرام اوقات کو بیان فرمایا کیونکہ اہل روم خاص ہینیوں میں عربوں سے جنگ کرنے کو حرام قرار دینے میں انتہائی غلو بہتے تھے اور ان کے حدود سے تجاوز کر جانے تھے، الغرض اپنے لوگوں کو مختلف احکام و اوامر کی نصیحت فرمائی اور جن گناہوں کو حقیقاً اور

اعمال کو کم تر جانتے تھے، ان سے خوف دلایا۔

آپ نے خطبہ کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

لوگو! تم اچھی طرح کان دھر کر سنو! کیونکہ نہیں معلوم
کہ میں اس سال کے بعد پھر اس جگہ تم سے خطاب
کر سکوں!

لوگو! زمانہ اس وقت سے اب تک اپنی گردش
میں مصروف ہے، جب سے کہ اللہ نے آسمان و
زمین کو پیدا کیا، بارہ مہینوں کا ایک سال ہے، ان
میں سے چار مہینے حرمت و تعظیم والے ہیں، یہ تین
تو سلسل ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا جب
جو شعبان اور جمادی کے مابین ہے، یہ مہینہ کونسا ہے
کیا ذوالحجہ نہیں ہے، لوگوں نے عرض کیا بے شک
وہی ہے، آپ نے فرمایا یہ شہر کونسا ہے؟ کیا یہ وہی
شہر نہیں ہے، لوگوں نے کہا بے شک، آپ نے
فرمایا یہ دن کونسا ہے کیا قربانی کا دن نہیں ہے، لوگوں
نے جواب دیا بے شک — تمہارے خون
تمہارے مال، اور تمہاری آبرو میں تم پر حرام ہیں،
جیسا کہ یہ دن، یہ مہینہ اور یہ مقدس شہر حرمت والے
ہیں، تم عن قرب اپنے پروردگار سے جا ملو گے اور
اپنے اپنے اعمال کے متعلق پوچھے جاؤ گے، سو ابیر
بعد کہیں تم گم راہ نہ ہو جاؤ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارتے

پھر وہ تم میں سے جو شخص یہاں حاضر ہے اپنے دوست
 غیر حاضر شخص کو میرا پیغام پہنچا دے، شاید وہ لوگ
 جن کو یہ پیغام پہنچا ہے بمقابلہ سننے والوں کے زیادہ
 یاد رکھنے والے ہوں، کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا
 کیا میں نے اپنی تبلیغ کا فریضہ انجام دے دیا؟ جس
 شخص کے پاس کوئی امانت ہو اس کو اس کے حقدار
 تک پہنچا دے، ہر مورد ساقط کر دیا جاتا ہے، ہاں
 تمہارا راس المال تم رکھ سکتے ہو، تاکہ کسی پر ظلم نہ ہو،
 کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ راس المال
 سو و نہیں ہے، عباس بن عبد المطلب کا جتنا سود ہے
 وہ سب ساقط کر دیا جاتا ہے، جاہلیت کی جس قدر
 خون ریزی اور دیت تھی، وہ تمام معدوم کر دی
 جاتی ہے، سب سے پہلے میں عبد المطلب کے
 بیٹے عارض بن ربیعہ کی خون ریزی کو معاف کرتا ہوں۔
 لوگو! اب شیطان جزیرہ عرب میں بتوں
 کی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے، مگر اس کے علاوہ
 دیگر چیزوں میں اس کی اپنی اہمیت کی توقع ہے،
 تم اپنے جن اعمال کو حقیر سمجھتے ہو، وہ ان سے خوش
 ہو گیا ہے، تم اپنے دین میں شیطان سے ڈرتے
 رہو، لوگو! بے شک نسئی کفر میں زیادتی کا موجب ہے
 کافر لوگ اس سے گمراہ ہو جاتے ہیں، ایک سال تو

اس کو حلال کر دیتے ہیں اور دوسرے سال حرام
 تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو تعداد حرمت کی مقرر کی ہے،
 اس کی موافقت ہو جائے، اس لئے وہ اللہ کی
 حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیتے ہیں۔

لوگو! تم پر اپنی خورتوں کا حق ہے اور ان پر
 بھی تمہارا حق ہے، تم پر ان کا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے سوا
 کسی ایسے شخص سے میل جول اور ربط و ضبط نہ رکھیں،
 جس کو تم ناپسند سمجھتے ہو، اور کوئی فاش غلطی نہ کر بیٹھیں
 اگر وہ اس طرح کریں، تو اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے،
 کہ تم ان کو اپنے بستروں سے الگ کر دو اور ان کو پہلے
 توہلکی سی سزا دو، اگر وہ اس سے باز رہ جائیں تو ان
 کے لئے ان کا کھانا اور کپڑا ہے۔

اے لوگو! تم غورتوں کو بھلائی کا حکم کرو (یعنی
 مرتے وقت مال اور ورثہ کی وصیت کرو) کیوں کہ وہ
 تمہارے پاس قیدیوں کے مانند ہیں، ان کو اپنے
 آپ کسی چیز پر قابو نہیں ہے۔

اے لوگو! تم میری باتوں کو سمجھ لو، میں نے اپنی
 تبلیغ کا فرض ادا کر دیا۔ میں نے تم میں دو چیزیں یعنی کتاب اللہ
 اور سنت رسول اللہ چھوڑی ہیں، جب تک تم ان کو مضبوطی
 سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے،

اے لوگو! میری باتیں سنو اور سمجھو اور

جان رکھو کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،
 اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اپنے
 ایک بھائی کا مال دوسرے پر حرام ہے، لیکن ہاں
 اگر وہ اپنی خوشی سے دے دے تو جائز ہے، تاکہ تم اپنی
 نفسوں پر ظلم نہ کر بیٹھو، اسے خدا کیا میں نے اپنا تبلیغی
 فرض پورا کر دیا؟ لوگوں نے بیک آواز جواب دیا
 بے شک! آپ نے فرمایا اسے اللہ تو گواہ ہے پھر
 آپ اپنی اونٹنی پر سے اتر گئے۔

اس خطبہ میں زندگی کے اہم اصولوں کو یکجا کر دیا گیا ہے، جن لوگوں
 نے اس خطبہ کے وقت عرب کی اجتماعی حالت بلکہ تمام انسانی سوسائٹی
 کی کیفیت کا مطالعہ کیا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں، کہ یہ خطبہ آنحضرت ﷺ کی
 ظہور قدسی کے بعد ایک اہم اجتماعی انقلاب کا پیش خیمہ اور زبردست
 اصلاحی نظام کے لئے سنگ بنیاد تھا۔ اس کے اندر تمام امراض و علل
 کی تشخیص اور ان کا علاج، تہذیب و عمران کے وہ زریں اصول اور ارتقاء
 کے وہ اسرار و رموز پوشیدہ ہیں، جنہوں نے عرب کے جاہلوں اور
 گمراہوں کے اندر وہ عظیم الشان روح پھونکی اور ایک ایسی قوم بنادی
 جو مشرق و مغرب میں صدیوں تک حکمرانی کرتی رہی۔

زمانہ خواہ کتنا ہی پلٹا کھائے اور گزشتہ یادگاروں کو مٹانے
 کی کوشش کرے، آنحضرت کی فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ اپنی لفظ
 خیز رفتار اور ترنم ریز آواز کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور علم و ادب کے

شیدائیوں اور دلدازگان کو ایسا سرور و کیفیت بخشنے گا، جس میں اویب اپنے
دل میں وجدانی کیفیت اور روح میں تسکین محسوس کرے گا۔

حسن سیاست و تدبیر امور

گزشتہ باب میں بطل اعظم کے چند ایسے مشہور کروار اور اہم صفات پر روشنی ڈالی گئی تھی، جو ہر شعبہ حیات کی اصلاح کے لئے مفید و موثر ہیں۔ اب ہم یہاں آپ کی دیگر ان خصوصیات کو بیان کرتے ہیں، جو سیاست دانوں، حکمرانوں اور قائدین کے لئے ہر اصلاحی و اخلاقی نظام کے لئے نمونہ اور مثال ہیں، اور جن میں انسانوں کی فلاح و بہبودی ہے۔ کہ رازہ ضمیریں۔

آنحضرتؐ جن اخلاق حسنہ کا پیکر تھے، اور جس قسم کے سیاست دان، دور اندیش اور مال کار واقع تھے، اور جو کامرانی و فتح آپ کو نصیب ہوئی نہ وہ کسی شخص کو حاصل ہوئی اور آئندہ ہوگی۔

آپ کی زندگی کی یہی وہ اعلیٰ ترین خصوصیت ہے جس میں آپ

حکومت الہیہ کو دنیا میں رائج کرنے کے لئے ایک بے نظیر ہستی تصور کئے جاتے ہیں، اس پہلو میں آپ تمام انبیاء و مرسلین میں ممتاز نظر آتے ہیں، آپ کی زندگی مدینہ میں زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہے، جہاں کے احوال کا اقتضاً یہ ہے، کہ وہاں کا زعیم و قائد امت کا بنی ہو، سیاسی اور اجتماعی زندگی کے متعلق اسلامی شریعت کے اصول و احکام جس قدر تفصیل و وسعت کے ساتھ مدینہ میں وقوع پذیر ہوئے، اس قدر مکہ میں نہیں تھے بلکہ یہاں تبلیغ و دعوت کی ابتدا تھی، لوگوں کو اللہ کی حقیقت سے روشناس کرانے اور ان کو قیامت، حشر و نشر اور حساب و میزان سے خبردار کرنے پر پوری قوت صرف کی گئی اس طرح دو مختلف مقامات میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینے کی وجہ سے بعض غیر اقوام کے مصنفین و مورخین کو آنحضرتؐ کی مکی و مدنی دو شخصیتیں تصور کرنی پڑیں، چنانچہ ان کا خیال ہے کہ مکہ میں آپ بنی ہیں اور مدینہ میں حکمران اور بادشاہ۔

اگر یہ لوگ اس وہم و گمان کو چھوڑ کر انصاف کی نظر سے دیکھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا، کہ جو محمدؐ مکہ میں وعظ و تبلیغ فرماتے ہیں، وہی مدینہ میں اس قدر عبادت کرتے ہیں، کہ آپ کے قدم مبارک طویل وقفہ تک دربار الہی میں مصروف ہونے کی وجہ سے متورم ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی محمدؐ ہیں کہ آپ کی وفات اس حالت میں ہوئی ہے، کہ دولت کے ڈھیر کے مالک ہیں لیکن آپ کا بکتر ایک یہودی کے پاس رہن ہے۔

بلکہ یہ لوگ مشاہدہ کریں گے، کہ طائف کے ان اوباشوں، آوارہ خش لوگوں اور غلاموں کے حق میں، جنہوں نے آپ کا پیچھا کیا، مذاق اڑایا، پتھروں سے زخمی کیا یہاں تک کہ آپ کو ایک مقام پر بیٹھنے بھی نہ دیا،

آنحضرت ﷺ سے ہدایت کی دعا فرماتے ہیں:

وہی محمد ہیں، جو فتح مکہ کے دن عثمان بن طلحہ کو کعبہ کی کسبیاں عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں، آج کا دن بھلائی احسان اور وفاداری کا دن ہے۔ اگر یہ لوگ، جنہوں نے آپ کو مکہ میں بنی اور مدینہ میں سلطان اور صاحب دولت قرار دیا ہے، غور سے مطالعہ کرتے تو کس جانفشانی اور کدو کاوش سے مصیبت و استلاء کے زمانے میں مکہ میں حکومت و دولت کا خاکہ تیار کیا گیا، تو ان کو مدینہ میں ہی اس کی داغ بیل ڈالنے کا گمان نہو، بلکہ وہ یہ جان لیتے کہ یہ تیرہ سال کی مسلسل کوششوں اور جانفشانوں کا نتیجہ اور خدائے تعالیٰ کے اس قول "فما صلح بما نؤموو اعرض عن المشركين۔ جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اس کی پیروی کر اور مشرکین سے اعراض کر" کی دعوت کا ثمرہ ہے۔

مدینہ میں حکومت و دولت کا قیام و استحکام تو آنحضرت ﷺ کے ان گناذہ اور پیروؤں کے ہاتھوں ہوا، جنہوں نے پہلی اور دوسری مرتبہ اللہ کے حکم سے اللہ کے راستہ میں جدشہ کی طرف ہجرت کی، اور اس کے بعد مدینہ کی جانب رجوع ہوئے، نیز اس میں ان انصار کا بھی حصہ تھا جنہوں نے مکہ کی گھاٹی میں آنحضرت ﷺ سے پہلی اور دوسری مرتبہ بیعت کی۔

یہی وہ امت کے مقدس دشمن ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے سر زمین مدینہ میں بویا تھا، انہی کے ہاتھوں دولت اسلامیہ قائم و مستحکم ہوئی پھر اس کے بعد اسلامی شہنشاہیت کے دور کا ظہور ہوا۔

آنحضرتؐ، مکہ اور مدینہ میں اپنے شعور سنی سے لے کر اپنی وفات تک دورانہ پیش، مدبر و مفکر، عقل خدا داد کے مالک اور پختہ کار سیاست داں تھے، آپ نے مکہ کی مشہور و معروف ہستیوں سے فائدہ اٹھایا، عبدالمطلب کے زیر سایہ پرورش پائی، طائف سے واپسی کے بعد مطعم بن عدی کی حمایت میں، جو مشرک تھے، مکہ میں داخل ہوئے، آپ نے بت پرستوں کے ربط و تعلق کو اس لئے قبول فرمایا، تاکہ مکہ سے بتوں کو منہدم کرنے میں سہولت پیدا ہو، اور مدینہ میں یہاں کے لوگوں کی تنظیم و اتحاد، معاہدہ اور نصرت و مدد کو اس لئے قبول فرمایا، تاکہ اس کے ذریعہ آپ اپنی جان اور اپنے اصحاب کو محفوظ رکھ سکیں اور بتوں کی بھی بچ کنی ہو جائے، آپ کا مقصد و مدعا ایک، غرض و غایت ایک اور نقطہ نظر ایک تھا، لیکن اس کی صورتیں مختلف، احوال جداگانہ اور مظاہر گوناگون تھے، صورت و اشکال کی تبدیلی سے کیفیت و ہیولی میں کسی قسم کا تغیر و تبدل و قوع پذیر نہیں ہو سکتا، لیکن غیر منصف مزاج ناقدین و مورخین نے ان تصویروں کو سمجھنے میں فاشن غلطی کی اور ان کو ان مختلف مظاہر سے غلط فہمی پیدا ہو گئی۔

اگرچہ مدینہ میں زندگی کے مختلف ادوار و مراحل کے مد نظر ہیشمار تشریحی احکام اور تنظیم و تصریف امور کے اصول پیش کئے گئے، لیکن یہ آپ کی شخصیت کے تبدیل ہونے پر برہان و دلیل نہیں ہو سکتے بلکہ آپ کی جلالت شان، حسن رائے اور عقلی برتری پر دلالت کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ جس شخصیت کے ساتھ مکہ میں مشرکین کا بے خوف و ہراس مقابلہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، آپ مدینہ میں بھی اسی شان سے

دنیا کے مختلف کام انجام دیتے ہیں، اس سے آپ کی ذات کی ان قوتوں اور روحانی طاقتوں کا پتہ چلتا ہے، جنہوں نے آپ کو ہر شوار گزار مرہل میں حسب اقتنائے حال اور مناسب مواقع پر کامیابی و تسلط عطا کیا۔

آپ کی شخصیت میں یہی وہ عظیم الشان صفات اور الو العزم قوی جمع تھیں، جن کی بدولت آپ نے اپنے اخلاق کا مجسمہ پیش کیا اور ہر شیت سے امتیاز پیدا کیا، آپ اپنی صفات و قومی کے مجموعہ سے تبلیغ و دعوت کے زمانے میں، خواہ وہ مکہ میں طاقت و قوت سے محرومی کا دور ہو، یا مدینہ میں سیاست و دولت کی فراوانی کا، آپ ایک مستقل اور کامیاب حکمران و فتح نظر آتے ہیں، جو پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی یاد میں مصروف تھے اور یہی توجہ آپ کی زندگی کا نقطہ نگاہ اور آپ کی منزل مقصود تھی، اس کے سوا تمام اشیاء کو دوسرے درجہ میں شمار کیا تھا، آپ دونوں مقامات (مکہ و مدینہ) میں عبادت گزار، پرہیزگار اور زہد خالص کا نمونہ تھے، آپ کے صحابہ آپ کے لئے ایک عمدہ بستریا کرنا چاہتے ہیں، آپ فرماتے ہیں مجھے دنیا سے کیا سروکار، میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح سے ہے، جو درخت کے سائے تلے آرام کیا پھر وہاں سے چل دیا، آپ کو کسی جاہ و شہمت اور سلطنت و دولت کے زور نے مغلوب نہ کیا، نیز آپ نے نواضع اور بر دباری سے باہر ایک قدم بھی نہیں بڑھایا۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ ناقدین آنحضرتؐ کی زندگی میں وہ کونسا تضاد اور اختلاف پاتے ہیں، جس کی بنا پر وہ آپ کو دو شخصیتوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اس لئے کہ آپ مکہ میں کس پرسی اور بیچارگی کی حالت میں

دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور مدینہ میں آپ اس حالت میں جہاد کرتے ہیں کہ آپ کے پاس دولت و قوت کا سرمایہ موجود رہتا ہے؟ آپ کے پیش نظر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک دونوں مقامات میں صرف ایک ہی مقصد و مدعا دین کی نشر و اشاعت اور اعلاء کلمۃ الحق تھا اور شرک و بت پرستی کا قلع و قمع کرنا۔

ناقیدین کو آنحضرتؐ کی رکنی اور مدنی زندگی میں کونسا تناقص اور تضاد نظر آتا ہے؟ حالانکہ اگر یہ نظر غائر دیکھا جائے، تو باسانی اس کا پتہ چل سکتا ہے کہ آپؐ مکہ میں اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، جاہلیت کے سربراہ آوردہ اشخاص کی آڑ میں اپنے نفس کو بچاتے ہوئے ان کے دین کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مسلمانوں کو جیشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم کرتے، اپنے دین کے معاملہ میں بحث و مباحثہ کرتے، بسبھوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دیتے، ہر و ظوار اور شہل ترین کام کو اپنی حسن رائے اور فکر و تدبیر سے انجام دیتے ہیں، مدینہ میں آپؐ یہاں کے لوگوں سے نصرت و امداد طلب کرتے، یہود و مشرکین سے معاہدہ کرتے، اپنی حفاظت اس حکومتی قوت کے ذریعہ کرتے ہیں، جس کی آپؐ نے تنظیم کی تھی، مختلف پیچیدہ مراحل پر اور مختلف جنگوں میں اپنی دور بینی، الوالعزمانہ قوتوں اور بہترین عقل و تدبیر سے غلبہ و تسلط پاتے ہیں۔

مکہ میں تیرہ سال تک ضیغیم اسلام اپنی قوتیں اور اپنی فوج صرف کئے بغیر خاموشی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، اور یہی ضیغیم دس سال تک مدینہ میں اپنے شکار کو تھمائے ہوئے رکھتا ہے ان دونوں زندگیوں میں آنحضرتؐ کی حسن رائے، صبر و استقامت کا جوہر، بلکہ سیاست اور وسعت تدبیر و

عزیمت کا نمایاں اظہار ہوتا ہے، آپ کو جب حیرت انگیز کامیابی اور عظیم الشان فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے، تو کفار انگشت بدندان ہو جاتے اور کہتے ہیں "اگر آپ سلطنت نہ قائم کرتے، اور لشکر کی قیادت نہ فرماتے تو خالص نبی مشعور ہوتے!"

اگر یہ لوگ جو آنحضرتؐ کو یہ سمجھتے ہیں، کہ آپ نے اپنی زندگی محض وعظ و نصیحت تک محدود نہ رکھی، بلکہ آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ کو پہنچانے میں اپنی جان کی بھی پروا نہ کی، ٹھنڈے دل سے یہ بھی سوچتے اور غور کرتے، کہ آپ کو اپنے پیغام حق کے پہنچانے اور کلمہ اللہ کو سر بلند کرنے کے لئے کہاں تک کامیابی نصیب ہوئی، تو وہ آنحضرتؐ کو ایک پیشوا اور رہبر اور مصلح و فاتح سمجھنے میں ہمارا ساتھ دیتے۔

بت پرست و عصیت پرور، سنگ دل و خوں ریز اور فارت گر قوم کے نزدیک آنحضرتؐ کی دعوت و تبلیغ کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی؛ انھوں نے آپ کا نسخہ آئینہ اور مضحکہ خیز انداز میں استقبال کیا، کیوں کہ قریش نے آپ کی دعوت کو رد کرنے کے لئے ہی ایک طریقہ موثر جاننا، انھوں نے آپ کو اور بنو ہاشم کو ایک ایسے درجہ پر پہنچا دیا تھا، کہ زبان ہلانے کا یارا تک نہ تھا۔

اگر یہ ناقدین عربوں کی زندگی کو چشم بصیرت واکر کے دیکھتے، تو ان کو باسانی صورت حال کا اندازہ ہو گیا ہوتا، اگر آنحضرتؐ حکومت الہیہ کے قیام کی جدوجہد نہ فرماتے اور اپنی تمام زندگی میں ایک ہی مقام پر توقف فرماتے، تو آپ کے دین کی چند واعظانہ یادگاریں باقی رہ جاتیں، جو تاریخی حکایات و واقعات کے ضمن میں دہرائی جاتیں، یا آپ کا پیغام دیگر انبیاء کے ادیان کی طرح برائے نام باقی رہ جاتا، اس وقت اعداء اسلام اور مخالفین دین میں سے

کوئی اس دعوت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوتا اور
 دین اسلام کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیتا، علاوہ اس کے ناقدین کی ایک
 ایسی ہستی کے بارے میں کیا رائے ہے، جو عقل و تدبیر میں نچمہ کار اور جواں
 مرد ہے، ادھر اس کی قوم نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور وہ آج سے
 روپوش ہو جاتا ہے پھر قوم کے افراد اس کا تعاقب کر کے اس کا خاتمہ کر دینا
 چاہتے ہیں، ہر چند کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی قوم کے درمیان محض عقیدہ
 کا نزاع تھا، جس نے آپ کو اس راہ میں بے شمار اذیتوں اور تکلیفوں کے
 برداشت کرنے پر آمادہ کیا، اور جو آپ کی زندگانی کا اساس اور حیات جاودانی
 کا سرمایہ تھا، کیا آپ ایسی حالت میں مدینہ میں اپنی قوم کا انتظار کرتے ہوئے
 بیٹھ جاتے کہ وہ آکر آپ کو قتل کر دیں؟ اگر نکتہ چین حضرات کو اس امر سے احتمالاً
 ہوتا، کہ آپ کا مقصد دنیا کی دولت سے فائدہ کمانا تھا، تو ہم ان کی نکتہ چینیوں
 کے اصل مدعا میں غور کر سکتے، لیکن واقعہ اس کے خلاف شہادت دے رہا ہے
 آپ کی غرض و غایت کبھی دنیا کمانے اور مال و زر جمع کرنے کی نہ تھی۔

آنحضرتؐ کمال عقل و دانائی اور دوراندیشی کے مالک تھے، مدینہ میں
 پہنچتے ہی آپ نے اپنی دعوت کی حفاظت اور اپنی قوم کی مدافعت کے
 لئے جنہوں نے تیرہ سال کی مسلسل مشقتوں کے باوجود، آپ کی نصیحت
 کو قبول نہ کیا، ساز و سامان کی تیاری شروع کر دی،

اپنی باغ نظر اور روشن فکر سے اپنے اور اپنے اصحاب کی مدافعت
 کے وسائل میں غور کیا، اس کو بہترین طریقہ سے استعمال کرنے کا وسیلہ
 سوچا آخر کار آپ کو وہ عظیم الشان کامیابی اور حیرت انگیز فتح نصیب
 ہوئی، جس کے بارے میں دائرۃ المعارف برطانیہ رقم طراز ہے:-

”یہ وہ کامیابی ہے، جو آپ کے قبل کسی دور میں

بھی کسی دینی مصلح کو نصیب نہ ہوئی۔“

یہ بے مثال فوز و فلاح آنحضرتؐ کے نہ صرف زہد و عبادت
تواضع و انکسار، رحمت و رافت، ظاہر و باطن اور مقصد و مدعا کی تصویر
کو بلا کم و کاست پیش کرتی ہے، بلکہ مدینہ میں آپ کی تبلیغ کے اس تکمیلی
خاکہ کو ظاہر کرتی ہے، جو مکہ میں حاصل نہ ہو سکا تھا، حکومت کے نقطہ نظر
سے جو عظمت و فوقیت آپ کو حاصل ہے، وہی نبوت میں بھی جہلکتی
ہے، آپ کے طریقہ حکومت سے آپ کی نبوت کی شان پر بھی روشن
دلیل قائم کی جاسکتی ہے کیونکہ فاتحین کی تاریخ میں آپ ہی ایک ایسی مہتی
ہیں جو حکومت و دولت کے حاصل ہونے کے باوصف ایک فقیرانہ اور
زاہدانہ زندگی بسر کرتے ہیں، پھر جب اس دنیا کے فانی سے رحلت
فرماتے ہیں، تو اپنی خلافت کا جانشین کسی کو نہیں بناتے، بلکہ اپنے
وارثین کے لئے بھی کسی قسم کی تصریح نہیں فرمائی، اس کے برعکس فرماتے
تھے ہم ”انبیاء کی جماعت ہیں، کسی کو وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہمارا
ترکہ ہے وہ صدقہ ہے۔“

آپ کو نماز میں یاد آگیا کہ آپ کے گھر میں کچھ سونا باقی رہ گیا ہے
تو آپ نماز میں جلدی فرماتے ہیں اور گھر آکر بقیہ سونا تقسیم کر دیتے ہیں
محض اس خیال سے کہ کہیں آپ اس حال میں انتقال نہ فرما جائیں،
کہ آپ کے پاس دنیا کی کوئی چیز باقی رہ جائے۔
آپ اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوتے ہیں
اور اپنا سر جھکائے ہوتے ہیں، ادھر آپ کے سامنے دشمن عاجز و

ذلیل ہو کر کھڑے ہوتے ہیں، آپ کو خدشہ ہونے لگتا ہے، کہ کہیں آپ کے دل میں خود پسندی اور کبر کا شائبہ پیدا ہو جائے۔

بلاشک و شبہ ہم کہہ سکتے ہیں، کہ آنحضرتؐ نے اپنی مدنی زندگی میں امت کی قیادت فرماتے ہوئے اپنے دور حکومت میں رسالت کے ان فریض کو، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ گردانے تھے، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرحد انجام تک پہنچایا، ہماری آنکھوں کے روپڑے آپ نے اپنے واجبات و فریض کو، مناسب اوقات اور موزوں مواقع پر عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا۔

اگر آپ دنیا سے رخصت فرما جاتے، اور اپنا یہ حیرت انگیز عملی کارنامہ دنیا کے روبرو پیش نہ کرتے تو بطل اعظم اور ہیشال ہستی نہ بن سکتے، اگر محض وعظ و نصیحت کی باتیں اصلاح و انقلاب کی ذمہ دار ہو سکتیں، تو لوگوں کو مصلحین اور قائدین کی ضرورت ہی پیش نہ آتی، کتابوں کے ذریعہ سے لوگ بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔

لیکن آنحضرتؐ کی شخصیت میں ایسے کردار جلوہ گر نظر آتے ہیں جو آپ کے اقوال سے ہم آہنگ ہیں، جنہیں آنکھیں مشاہدہ کرتی ہیں، کان سنتے ہیں اور جس مشترک غور کرتی ہے، یہی وہ چیزیں ہیں جو لوگوں کو بے نظیر ہستی بناتی اور انسانوں کو بلند مرتبے تک پہنچاتی ہیں، چنانچہ بقول بوزر ز اسمتہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) علی الاطلاق دنیا کے مصلح اعظم ہیں۔

میں نے اپنے گزشتہ بیان میں دیگر ادیان کے بعض مصنفین و ناقدین کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، جنہوں نے آنحضرتؐ کو

کی اور مدنی دو شخصیتوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے، اب میں یہاں آنحضرتؐ کی اس اہم خصوصیت پر روشنی ڈالوں گا جو اس باب کا اصلی مدعا ہے، جو ہمارے اخلاق کی روح کو زندہ کرنے کے لئے سامانِ حیات فراہم کرتا ہے۔

آنحضرتؐ اپنے رفیق ابو بکرؓ کے ساتھ سفر کی مشقتیں برداشت کرتے ہوئے مدینہ میں تشریف لائے، آپ نے اپنے اور اپنے اصحاب کے لئے یہاں کے لوگوں کی حمایت کا عہد لینا چاہا، تو آپ کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، بالآخر آپ نے اپنے ضمیر کی روشنی میں صلح و آشتی، تنظیم و اعلیٰ اور امن خارجی کی ضرورت محسوس کی۔

مدینہ میں آپ اس وقت تشریف لائے جب کہ اوس اور خزرج کی باہمی جنگ و جدل کو ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا تھا۔ ان دونوں کی عداوت اور باہمی فتنہ پر داریاں قیامت کا سامان فراہم کر چکی تھیں، ادھر یہود و فتنہ و فساد کا بازار گرم کرنے اور عداوت و عناد کی چنگاریاں بھڑکانے کی کوشش میں مصروف تھے، کیونکہ ان کو اندیشہ لگا ہوا تھا، کہ اوس خزرج کہیں متحد و منظم ہو کر ان کی مصیبت کا موجب نہ بن جائیں۔

مدینہ کی جانب جن اصحاب نے ہجرت کی تھی ابھی ان میں اتنی طاقت فراہم نہ ہوئی تھی، کہ وہ آپ کو پناہ دے سکیں، آپ ایسی قوم میں پناہ گزیں ہوئے، جس کو آپ کے اہل دیہات اور خاندان سے سخت نفرت تھی، مسلمانوں نے آپ کا شجاعت اور دلیری سے شاندار استقبال کیا، ادھر یہود و مشرکین نے بھی خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا، مسلمانوں کی یہ آرزو تھی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ سے ان لوگوں کی اصلاح

کرے اور نفاق و شقاق کو دور کر دے، اس طرف یہود و مشرکین اس امر کے متمنی تھے کہ ایک عرب کا رہنے والا جس کو اہل کتاب سے الفت و مودت ہے بتوں کی حمایت کرے گا تاکہ ایک طرف عرب پر غلبہ پاسکیں اور دوسری جانب شمال میں نصرانیت کا مقابلہ کر سکیں، اس لحاظ سے آپ کو نئی نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں بھی یہود و مشرکین کی نگاہوں کا شکار ہونے کا اندیشہ ہو گیا۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آپ نے ایسے نازک مواقع پر کس حکمت عملی اور دوراندیشی سے کام لیا اور اس دشوار گزار اور خطرناک منزل کو کیونکر طے کیا؟ آپ کے اندر ہر اہم کام کو انجام دینے کی صلاحیت و استعداد موجود تھی، اللہ نے آپ کو نہ صرف وحی سے سرفراز فرمایا تھا، بلکہ انسانیت کا بلند مرتبہ عطا کر کے حسن تدبیر اور کمال دانائی سے آراستہ کیا تھا۔

سب سے پہلے آپ نے ایک مسجد تعمیر کرنی شروع کی، یہی وہ مسجد تھی جس کے اندر دین و دنیا کی فلاح و بہبودی کا سرمایہ پوشیدہ تھا، اسی میں اسلامی پارلیمنٹ قائم ہوتی تھی، یہی اسلامی سلطنت کا پایہ تخت اور قیادت کا اعلیٰ مرکز سمجھی جاتی تھی، جہاں سے تبلیغی احکام اور اسلامی قوانین تمام جگہ نافذ کرائے جاتے تھے، اسی مقام پر سیاسی تدابیر اور فوجی احکام کو رو بہ شکل لایا جاتا تھا، اسی میں وفد آیا کرتے تھے اور اسی جگہ تمام کو کتاب و حکمت کی تعلیم سے نوازا جاتا تھا۔

مسجد کی تعمیر بہت ہی سادہ تھی، جو آپ کے اور آپ کے صحابہ کی تواضع پسند طبیعت کے بہت موزوں تھی، ہر وقت آپ لوگوں کے سامنے اسی حقیقت کو بیان فرماتے تھے کہ جو ایش زمانہ پر قابو پانے اور انقلاب

روزگار میں فلاح و کامیابی کا دار و مدار محض روحانی قوت اور اخلاقی اتمونوں پر ہے، یہ چیز شان و اہمیتوں اور شان و شوکت کے مظاہرہ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

اس چھوٹی سی مسجد کے ذریعہ رفتہ رفتہ ایک ایسے اسلامی ادارہ کی تشکیل عمل میں آتی ہے، جو تمام جزیرہ عرب پر مستولی ہو جاتا ہے، روم اور ایران کی بڑی بڑی سلطنتیں اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اسی مسجد میں مناسب اوقات و احوال میں مختلف تدبیریں اور حیلے سوچے جاتے ہیں لیکن جو انقلابی طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا اور جس شان و اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا تھا، وہی آگے چل کر حکومت الہیہ کی وسعت و تشکیل کا پیش خیمہ اور انسان کے عظیم الشان اصلاحی قوانین کی تمہید ثابت ہوا، ان تدابیر کی وجہ سے مدینہ مسلمانوں، یہود و مشرکین، الغرض عرب و عجم کے مختلف و متضاد قبائل و طبقات کا وطن قرار پانے لگا۔

پہلے ہی مرحلہ میں وطنیت کا مفہوم ذہن نشین کر دیا گیا، کہ لوگ بلا تفریق حسب و نسب اور بلا امتیاز عصبیت و نسل و قوم ایک ہی نظام میں مربوط و مربوط ہیں اور احکام و قوانین میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے مختلف اقوام و ادیان کے لوگوں کے لئے ایک جدید وطنی دستور بنایا جس میں تمام کو وطنی قرار دے کر ان پر یہ امور عائد کر دیئے کہ ملک کی ہر قسم کی مدافعت ان پر لازمی ہے، وہ صلح و جنگ کے ذمہ دار ہیں، اپنے غیری کی مدد نہیں کر سکتے، اہل وطن کے خلاف خواہ ان کے رشتہ دار، باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں، امداد و بہم نہیں پہنچا سکتے آپ نے اہل وطن کے مالوں، جانوں اور ان کی آبروؤں کی حفاظت کا

ذمہ لیا اور ان کو عقیدہ و مذہب کے معاملات میں آزادی دے دی۔

اس دستوری صحیفہ کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ خط پنجم محمد کی جانب سے قریش و یثرب کے

مومنین، ان کے پیروکاروں، رشتہ داروں، اور

مجاہدوں کے لئے لکھا جاتا ہے، اور ان کو آگاہ کیا جاتا ہے

کہ وہ سب ایک ہی پارٹی اور جماعت ہیں، جو یہودی ہاری

اتباع کریں ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا، ان کی

مدد کی جائے گی، اور ان کے خلاف کوئی سازش نہ کی جائے گی

بنو غوث کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہیں، مسلمان اپنے

دین پر قائم رہیں اور ان کے جو غلام ہیں وہ انہی کے ہیں،

یہودیوں کے لئے ان کا دین ہے، باقی رہے، وہ یہودی

جنہوں نے معاہدہ کیا ہے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ

اور سلوک کیا جائے گا، جو بنو غوث کے ساتھ کیا گیا ہے؛

یہودیوں اور مسلمانوں کو آپ اپنے نفعات و مصارف

برداشت کرنے ہوں گے، جو لوگ اہل صحیفہ کے ساتھ

جنگ کرنے پر آمادہ ہوں، تو یہودیوں کا فرض ہے، کہ

ان کے خلاف ہر قسم کی امداد ہم پہنچائیں۔ ان کے

ساتھ ہر قسم کی بھلائی، احسان اور حسن سلوک روا رکھا

جاتا ہے، مدینہ کے حدود اہل صحیفہ کے لئے حرام ہیں،

اپنے ہمسایہ کو اپنی طرح سے سمجھنا چاہیے، اس پر کسی قسم کا

ظلم نہ کیا جائے، نیز اسے کسی طرح کا نقصان بھی نہ پہنچایا
 جائے، اہل صحیفہ کے درمیان ایسے اختلافات اور
 مناقشات برپا ہو جائیں جن سے فتنہ و فساد کے پھیلنے
 کا اندیشہ ہو، تو ان کو فیصلے کے لئے اللہ عزوجل اور محمد
 رسول اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے۔

اس جدید دستوری صحیفہ کی وجہ سے مدینہ کی حکومت کی زمام آنحضرت
 کے ہاتھوں بلا قصد و مطالبہ علی آئی، عہد و پیمان شکنی کی صورت میں ایک حکم
 کی ضرورت لاحق ہو کر تھی، لیکن آپ ہی حکم مقرر ہوتے، چنانچہ اسی وقت سے
 اسلامی حکومت کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔

آنحضرت نے پہلی مرتبہ بلاد عربیہ میں امت کے حق کو قبیلہ کے حق
 پر ترجیح دی اور تمام حدود و احکام کا دار و مدار اللہ کی شریعت اور اس کے
 پیغامبر پر رکھا، اس وقت عصبیت جاہلیہ کا طوفان بہت زور شور پر تھا،
 جس کی زد میں مجرم و غیر مجرم، گنہگار و نیکو کا تمام بہرے تھے، اس لئے
 آپ نے جابر و متکبر قوموں میں تمدن کا تخم بویا اور اسلامی جمہوریت کی شکل
 کی، جو صدیوں تک دنیا پر حکمران رہی۔

آنحضرت نے اپنی بصیرت اور ذہن رسا سے معلوم
 کر لیا، کہ اولاً مدینہ کے لئے اور ثانیاً تمام عالم کے لئے جو نظام آپ قائم کرنا
 چاہتے ہیں، وہ اس سرکش و باغی قوم میں، جو فتنہ و فساد میں مبتلا اور عصبیت
 کے پنجوں میں گرفتار ہے، محض دستوری صحیفہ سے جاری نہیں کیا جاسکتا
 بلکہ اس دعوت کی حمایت اور اپنے نظام کی حفاظت کے لئے، جس کے قوانین
 و اصول صحیفہ میں مقرر کئے گئے ہیں، اور ان تمام عہد و پیمان کی نگرانی و پابندی

کے لئے جن سے وطن کا ایک نیا دستور تشکیل پذیر ہوا ہے قوت و طاقت اور
 عسکری تنظیم کی ضرورت ہے، یہ قوت صرف ان ہاجرین کے ذریعہ نشوونما
 پاتی ہے، جنہوں نے اپنے پرانے نظام سے بھاگ کر مدینہ کی طرف ہجرت
 کی تھی، یہی لوگ سب سے پہلے آنحضرتؐ کے لائحہ عمل کی حفاظت اور نظام
 حریت کی حمایت کے علم بردار ہوئے، جیش محمدی کی ترتیب و تنظیم ہاجرین
 و انصار کے افراد سے ہوئی، انہوں نے دعوتِ اسلامی کا خندہ پیشانی سے
 خیر مقدم کیا، اور آپ کے ہر اشارہ پر جاں نثاری کا ثبوت دیا، قریش اور
 دیگر قبائل میں سے سوائے ہاجرین اور انصار کے کوئی اور قوم اس جدید
 نظام کی حمایت میں بطور سند کے نہیں پیش کی جاسکتی، انصار تو قریش کے
 دشمن اور حریف تھے۔

اہل مدینہ کے درمیان کینہ و عداوت اور بغض و منافرت کی جو چنگاریاں
 بھڑک اٹھی تھیں، قریب تھا، کہ وہ آنحضرتؐ کی ظہورِ قدسی سے پیشتر قبیلہ
 اوس کے وجود کا خاتمہ کر دیں۔

ہاجرین اور انصار کے اس لشکر کی باہمی ترتیب و تنظیم، ان کی تعلیم
 و تربیت سے ان کو ایک رشتہ میں منسلک کرنا، ان کو دعوت و تحریکِ اسلامی
 کی تائید اور اطاعت و ایمان کے لئے تیار کرنا، یہ آنحضرتؐ ہی کا حصہ تھا جس
 میں آپ کی عسکری شان نمایاں طور پر نظر آتی ہے، سب سے زیادہ تعجب
 اور حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ آپ کو مدینہ پہنچنے ہوئے ابھی چھ ماہ کا عرصہ
 نہیں گزرتا، کہ اس درمیان میں ایک ایسے لشکر کی تنظیم کرتے ہیں، کہ دو سال
 ہی کی مدت میں بدر کے میدان میں، باوجود دشمن کی قوت و طاقت سامان
 و اسلحہ کی زیادتی اور بڑے بڑے سوراٹوں کی شہرت کے، ان کی تین گنی

فوج پر غلبہ و تسلط پالتے ہیں، اور دنیا نے آپ کے اس نظام کے معجزہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور بدر کی شکست کے بعد یہ روشن ہو گیا، کہ بت پرستوں کے قدم ڈگمگائے، نہ صرف یہی بلکہ کچھ عرصہ کے اندر آنحضرتؐ کا یہ اسلامی لشکر فرانس اور ہندوستان تک فاتحانہ شان سے داخل ہو جاتا ہے۔ جب آنحضرتؐ نے دیکھا، کہ قبیلہ اوس آپ کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں عامل اور مدینہ میں عصبیت کی آماجگاہ ہے، تو پہلے اس کو اخوت کی طرف بلایا، قریش اور اوس و خزرج کے مابین بھائی چارہ اور برادرانہ تعلقات پیدا کر دیئے، حتیٰ کہ اس کا اتر تیزی کے ساتھ مختلف قبیلوں اور خاندان میں سرایت کر گیا، جس نے تمام کو انسانیت و اخوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کر دیا۔

یہ موافقات اور بھائی چارگی، جس کی اکثر حکایات اور بیشتر واقعات تاریخ و سیر میں تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، جن میں ناموں اور نسبوں کی طول طویل فہرست ہے، امت اسلامیہ کی تنظیم و جمعیت اور اسلامی فتح و نصرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ابوسفیان فتح مکہ کے دن اسلامی فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جب ایک فوج پر سے گزرتا تو کہتا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا جاتا یہ سلیم کی فوج ہے، یہ مزنیہ کی، یہ فلان کی، مگر کوئی اس کی نظروں میں نہ جھپٹا، یہاں تک کہ ان کے ہی بھائیوں کا ایک لشکر نمودار ہوا، اس نے حضرت عباسؓ سے جو اس کے ساتھ تھے، پوچھا یہ لوگ کون ہیں؟ آپ نے کہا یہ ہاجرین اور انصار کی فوج ہے، ابوسفیان نے کہا اکل تک تو ان کی کوئی قوت اور طاقت نہ تھی، اے ابوالفضل

خدا کی قسم تمہارا بھتیجہ آج ایک بڑے لشکر کا مالک بن گیا ہے۔

یہی وہ اخوت ہے جس کو آنحضرتؐ نے قوموں اور قبیلوں کے درمیان مصیبت جاہلیت کو دور کر کے برادرانہ تعلقات کی اسپرٹ پیدا کر دی تھی، جس نے امت عربیہ کو نفاق و شقاق سے نکال کر شاہراہ اتحاد پر گامزن کر دیا، اور نظام جمہوریت کی ایسی تشکیل کی، جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے۔

آنحضرتؐ بلاشک و شبہ مفکر اعظم تھے، آپ نے اپنی بصیرت کی روشنی میں مشاہدہ کر لیا، کہ مدینہ میں امن قائم کرنے کے لئے یہاں کے مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین حریت کی ضمانت کے لئے محض ایک دستوری صحیفہ اور مدینہ کے داخلی نظام کی حفاظت کی ذمہ داری کے لئے مسلمانوں کے درمیان محض مواعظ و برادرانہ تعلقات کافی نہیں ہیں، تا وقتے کہ مدینہ جزیرہ عرب کے مشابہ نہ ہو جائے، جس میں مشرکین کی اجازت کے بغیر داخلہ ناممکن ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ نے اس پیچیدہ معملہ کو کس طرح حل کیا اور اس مہلک مرض سے کس طرح نجات حاصل کی پھر کیونکر مدینہ پر جزیرہ عرب کے قواعد نافذ کر دیئے اور کس طرح چند ہی سال کے اندر یہاں اسلامی جمہوریت و ریاست کی تشکیل ہوئی۔

آپ نے مدنی زندگی میں دو طریقے اختیار کئے، ایک وہ جس کو دیگر ادیان کے بعض مصنفوں اور بعض تنگ نظر و سطح بین اشخاص نے سمجھا ہے سچ ہے جب ان کو زندگی کی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ در ماندہ و عاجز ہو جاتے ہیں، دوسرا طریقہ وہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا، جس کو آپ نے اپنے قول و فعل کے

ذریعہ ظاہر کر دیا۔ پہلا طریقہ خاموش اور پراسرار تھا، دوسرا عملی میدان میں
 مظاہرہ کرنے کا تھا، پہلے طریقہ میں جس طرح آپ نے مکہ میں وعظ و نصیحت
 کی، مدینہ میں بھی تبلیغ و دعوت کے فرائض انجام دیتے رہے، مدینہ میں
 ان لوگوں پر اعتماد کیا، جنہوں نے آپ کی حمایت کا معاہدہ کیا تھا۔
 قریش اور مدینہ کے اطراف کے اعراب کی کارروائیوں اور عملی اقدامات
 پر نگرانی فرماتے رہے، انہیں اس بات سے آگاہ کر دیا کہ اگر وہ آپ سے
 حسن سلوک سے پیش آئیں اور آپ سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں تو انکا
 یہ رویہ سراسر بھلائی پر محمول ہوگا، اگر وہ آپ کی حمایت اور راہ حق میں
 مارے جائیں تو ان کے لئے شہادت کا ثواب اور آپ کی امداد کا فخر
 حاصل ہوگا۔

آپ کی عملی کارروائی یہ تھی، کہ جب آپ نے اندیشہ کو پایا، تو
 اس کی مدافعت اور اپنی دعوت میں ہمت و استقلال کے ساتھ قائم
 رہے اور اس راہ کی تمام مشکلات کا مقابلہ کیا، یہاں تک کہ اپنے مقصد
 میں کامیاب ہو گئے، جو لوگ آپ کے پاس پناہ لینے کی خاطر آئے آپ
 نے ان کو امداد پہنچائی، اور جن لوگوں نے ہجرت کی، ان کے فضل
 و شرف اور مرتبہ کو بڑھا دیا۔

آنحضرتؐ ان واعظین و قائدین میں سے نہ تھے، جو اپنی زندگی
 لوگوں کو بھلائی کا حکم کرنے اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہونے میں گزارتے
 ہیں آپ اپنی رسالت و نبوت اور بے نظیر بہادری کے مطابق ایمان
 اور عمل صالح کی زندہ تصویر تھے۔

آپ کے مدینہ میں آنے کی غرض و غایت یہ نہ تھی، کہ کوئی گرجا

تعمیر کر دیں اور یہودیوں اور مشرکین سے اپنی حمایت طلب کریں، آپ کی طبیعت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ حق بات کہنے میں خاموشی کے طریقہ کو چھوڑ کر انقلابی روش اختیار کریں۔

بعض اہل مدینہ نے آپ پر ایمان لا کر آپ کی امداد کی اور مشرکین نے بھی مکہ پر غلبہ حاصل کرنے کی حرص و تمنا میں اور مدینہ کے بارگاہوں میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کی ہوس میں آپ کا ساتھ دیا، مدینہ میں یہود اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ اللہ کے خاص چہیتے اور لاڈلے ہیں ان کے سوا کسی اور کو اللہ تعالیٰ نبوت سے نہیں سرفراز کر سکتا ان کی بھی یہ تمنا اور آرزو تھی کہ آنحضرتؐ کے ذریعہ عرب پر غلبہ حاصل کریں اور اپنی دعوت دین کو پھیلائیں۔

مدینہ میں مہاجرین پہلی ہی مرتبہ بخاری شرب میں مبتلا ہو گئے، اس سے انھوں نے اپنی عورتوں کے ہاتھ ہو جانے کا شگون بدلیا، زبیرؓ کی بیوی کے جب بچہ پیدا ہوا، تو اس وقت جشن منایا گیا، ان لوگوں کے کہ میں اپنی جائیدادیں اور اموال چھوڑ دینے تھے، مدینہ آ کر فقر وفاقہ میں مبتلا ہو گئے، یہ وہ مشقت آگین زمانہ تھا جس میں ایمان اور عمل صالح کے بغیر قدم لغزش کھا جانے کا اندیشہ تھا، آنحضرتؐ نے اپنی عقل خدا داد اور حسن سیاست کے ذریعہ اس پیچیدہ گتھی کو اس انداز سے سلجھایا کہ یہ خصوصیت کسی مصلح اور فلاح کو کسی دور میں بھی نصیب نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔

ہم نے گزشتہ بیان میں مدینہ کی حالت کا ایک مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور مجمل طور پر یہودیوں کی تمناؤں، مشرکین کے ارادوں

اور مسلمانوں کے عملی اقدامات پر روشنی ڈالی، اور ثابت کیا ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے بغیر عملی اقدام کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اب ہم یہاں مدینہ کے اطراف و اکناف کے مشرکین اور اہل مکہ کی حالت کو بیان کرتے ہیں، تاکہ آنحضرتؐ کی حسن سیاست اور فکر و تدبیر کا اندازہ ہو سکے۔

لوگوں کا خیال ہے، کہ مکہ ایک خشک سرزمین اور بے آب و گیاہ مقام ہے، جہاں میوں اور غلوں کا نام و نشان نہیں، ایک واوی ہے جس میں کاشت نہیں کی جاسکتی، لیکن بہت کم افراد اس سے واقف ہیں، کس دعوتِ اسلامیہ کے ظہور کے وقت مکہ تمام بستیوں میں ایک خوش حال مقام تھا، بلکہ قدیم زمانے میں بہت بڑی تجارتی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا، قریش اس کے اندر اپنی تجارت کا بیشتر حصہ لیا کرتے اور وہ بہت بڑے تاجر تھے، یہ لوگ اپنے اطراف و اکناف کی قوموں کے احوال سے بخوبی واقف تھے، ان کی ترقی و خوش حالی کا تمام تر راز و طراز اسی سیر و سیاحت اور خانہ بدوشی پر تھا، انہوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر دور دور ملکوں میں تجارت کی غرض سے سفر کرنا شروع کیا، چنانچہ تاریخ سے یہ امر واضح ہوتا ہے، کہ ترقی کا اصلی راز تجارت اور سیر و سیاحت میں مضمر ہے، قدیم زمانے کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، کہ فنیقیہ کے باشندوں نے اسی تجارت و سیاحت کے ذریعہ کتنی ترقی کی، اور عالم کی جدید تاریخ شاہد ہے، کہ برطانیہ نے کس قدر حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، ان قوموں کی ترقی کا راز صرف اسی میں پوشیدہ تھا، کہ وہ اپنے وطن میں زندگی کی ضرورتوں اور اہم حاجتوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے عاجز تھے، اسی وجہ سے ان کو اپنی ضروریات زندگی نے عالم کے دور دور ملکوں میں اپنی کسب معاش کے لئے آمادہ کر دیا، چنانچہ وہ تمام قوموں اور ملکوں سے دولت

وسرا یہ میں سبقت لے گئے، یہی حال دعوت محمدیہ کے ظہور کے وقت مکہ کا بھی تھا، یہاں کے لوگ بہت ہی خوش حال اور فارغ البال تھے اور قدیم زمانے کے نتائج و ثمرات ان کی آسائش کے سامان شاپم کر چکے تھے۔

اس تجارت کا دائرہ بہت وسیع تھا، تجارت صرف ایک خانہ یا گروہ میں محدود نہ تھی، بلکہ سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے، کہ ابوسفیان نے جب بدر کے دن اپنے قافلہ پر خطرہ کا اندیشہ محسوس کیا، تو تمام باشندگان مکہ کو جمع کیا اور ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلا، جس کے ساتھ ایک سو گھوڑوں سے سات سو اونٹ تھے، جب قریش کو بدر کے موقع پر شکست فاش کھانی پڑی تو مکہ والے ابوسفیان کے قافلہ کے ساتھ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہ سے انتقام لینے کے لئے اکٹھا ہوئے، اس وسیع تجارت میں مکہ کے منافع کا اندازہ اس المال سے فی صد پچاس کا لگایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے بہانوں اور تمام جزیرہ کے حاجیوں کی خاطر تواضع اور بہان کیا کرتے تھے، اپنے قرابت داروں پر جو دو کرم کی بارش برساتے ہوئے لعب شراب نوشی، جو بازی اور نکلانے بجانے کی محفلوں وغیرہ میں فضول خرچ کر دیا کرتے تھے۔

نبی اکرمؐ اور آپ کے صحابہ کا مدینہ میں جو حال تھا، اس کا ذکر ہم نے گزشتہ بیانیوں میں کر دیا ہے، مہاجرین، جن کے مال و اسباب اور مکانات و باغات وغیرہ مکہ میں چھین لئے جا چکے تھے، مدینہ میں اس طرح خالی ہاتھ آتے ہیں، کہ ان کے پاس سوائے اساس ایمان اور سرمایہ اسلام کے کوئی اور چیز نہیں رہتی، یہی وہ امیر ہیں کہ ان کو اپنا بدن حکمت

ڈھا پننے کے لئے پکڑا میسر نہیں ہوتا ہے، یہی علی بن ابی طالب ہیں، کہ ایک یہودی کے پاس اس کے باغ میں مزدوری کرتے ہیں، اور ایک ٹولہ لڑائی کھینچنے پر ایک گھوڑا لیا ہے، یہی آنحضرت ہیں کہ مسجد کی طرف گھومنا شروع کرتے ہیں، تو ابوبکرؓ و عمرؓ کو راستہ میں پاتے ہیں اور فرماتے ہیں تم دونوں کس لئے باہر پھر رہے ہیں؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم کو بھوک نے بے تاب کر دیا ہے اس لئے ہم گھر سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے، آپ فرماتے ہیں جیسے بھی بھوک نے بے تاب کر دیا ہے اسی وجہ سے میں بھی نکلنا ہوں، آپ نے جب مکہ چھوڑ دیا تو کیا اس کے سبب سے آپ کی دعوت و تبلیغ کی نشر و اشاعت اور کفر و شرک کی رسوائی و ذلت میں آپ کو کچھ تاخیر پہنچی؟ ہرگز نہیں بلکہ قریش کے لوگ تو مسلمانوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے، ان کو استہزاء اور مضحکہ خیزی کا نشانہ بنا رکھا تھا، قوم کے قوی اور سربراہ اور وہ افراد کمزوروں اور مرعوب اشخاص کو مکہ و فریب میں مبتلا کرنے کی اپنی طرٹ مائل کریتے، اپنے لات و پھیل کی مدد کے لئے قید کر دیتے اور مسلمانوں کو اذیتیں پہنچا کر خوش ہوتے، کہ انہوں نے لات و عزی کو رضا مند کر دیا۔

آنحضور اکرمؐ اپنی رسالت کے علم بردارِ عالی ہمت، بلند حوصلہ اور اپنے اصحاب میں سب سے زیادہ نیک اور شجاع ہستی تھے، آپ نے تمام مصائب و مشکلات کو برداشت کیا، ان کی مدافعت میں عملی قدم اٹھایا، قریش کو، ان کی تجارت میں جو ان کے پاس عزیز تھی، سہولتیں بہم پہنچا کر ہدایت پر لانے کی کوشش فرمائی، مدینہ کے ارد گرد کے عربوں کو شرک و بت پرستی سے باز رکھا، مدینہ کی ان فتنہ و شر اور عصبیت کی چنگاریوں کو

بجھانے میں جن کو یہود اوس اور خزرج اور مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان
 بھڑکار رہے تھے، کوشش کی اور امن و امان قائم کرنے میں مصروف رہے
 یہی وہ تین مہتمم بالشان اعراض و مقاصد ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے
 ابو العزبی ہمت و استقامت اور منظم کی اشد ضرورت ہے، یہ وہ عظیم
 کام ہے جس میں آنحضرتؐ کو وہ امتیازی کامیابی نصیب ہوئی، جو
 آپ سے قبل کسی نبی نے حاصل نہیں کی، یہ دور جس میں مدینہ کی اصلاح
 ہاجرین اور انصار کے وینی و تمدنی تربیت اور ان کے ذریعہ سے تمام
 لوگوں کی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا، آنحضرتؐ کے لئے حد درجہ آزمائش
 اور کٹھن مشکلات کا دور تھا، جس میں آپ کو سیاسی تجربہ اور عسکری
 نظام کی قوت نصیب ہوئی۔

مدینہ پہنچے ہوئے آپ کو ابھی چھ ماہ گزرے تھے، آپ نے
 پہلا اسلامی جھنڈا بعید اللہ من عارث کے ہاتھ بلند کرنے کے لئے عطا
 کیا، اس کے بعد آپ کے غزوات کا سلسلہ برابر جاری رہا، جنگ بدر سے
 پہلے آپ کے پورے لشکر نے کوئی مادی اور دنیوی فائدہ نہیں اٹھایا تھا
 انھوں نے تو محض سیاسی اور عسکری اغراض کو جو استقلال و ثبات
 قدمی اور سلطنت کے استحکام کے لئے ضروری تھے، کافی طور پر حاصل
 کر لیا تھا، ہاجرین کے دلوں میں آرزوئیں جوش مارنے لگیں، ان
 کی باطنی حالت شان دار ہو گئی، اور ان کے بدنوں میں، جو یثرب کی
 بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے، طاقت و توانائی اور شگفتگی پیدا ہو گئی
 مسلمان ایک منظم اور متحد طاقت میں عمل کرنے کے عادی ہو گئے تھے،
 جس میں ان کے حسب و نسب کا کوئی شاہد نہ تھا بلکہ انھوں نے اپنے

دلوں سے عصبیت و خباثت اور قبیلہ و خاندان کے امتیازی جذبات و احساسات کو مٹا دیا تھا۔

اہل مدینہ نے مسلمانوں کی اس فوجی نقل و حرکت سے محسوس کر لیا کہ آنحضرتؐ یقیناً اینٹ کا جواب اینٹ سے پتھر کا جواب پتھر سے اور قوت کا جواب قوت سے دینے والے ہیں، ادھر اعراب نے اچھی طرح جان لیا کہ جو مہتی قریش کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر نکلی ہے، اس کے بازو کسی کے رعب و قوت سے دبنے والے نہیں، اگر آپ میں کچھ ضعف و اضمحلال کے آثار ان کو نظر آتے، تو وہ آپ سے پہلے مدینہ پر چڑھائی کر دیتے اور یہاں کے جانوروں اور چرواہوں کو قتل و غارت کر کے اپنے قصوں اور افسانوں میں نہایت فخر و شان کے ساتھ بیان کرتے، جنہیں ان کی عورتیں تک پڑھتی رہتیں، اسی طرح قریش کو بھی اس کا بخوبی علم ہو گیا تھا، کہ نبی اکرمؐ اور آپ کے اصحاب کو صرف اس بنا پر ان کے گھروں اور وطن سے نکال دیا گیا ہے، کہ وہ اللہ کے دین پر قائم تھے اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کی دعوت دیتے تھے، مدینہ میں انہوں نے اپنی اقتصادی زندگی خطرناک اور ردی صورت میں اور دینی زندگی بیخوف و خطر حالت میں گزار دی، قریش کو معلوم ہو گیا تھا، کہ آپ ان کی عزیز ترین چیز یعنی تجارت کو ایسا ہی روک دینا چاہتے ہیں، جس طرح ہے کہ انہوں نے آپ کی محبوب ترین شئی یعنی عقیدہ دین کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے، اگر وہ تجارت میں آزادی کے طالب و خواہشمند ہیں تو ان پر ضروری ہے، کہ وہ حریت اعتقاد کا بھی اعتراف کریں، جس کا معاہدہ بدر اُحد اور احزاب کی خون ریز جنگوں کے بعد کیا گیا، جو صلح

حدیبہ کے نام سے مشہور ہے۔

عسکری تنظیم اور فوجی تربیت مسلسل دو سال تک برابر جاری رہی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے اندر جنگ کی قدرت اور معرکہ میں استقامت و استقلال کی صلاحیت کا یقین کر لیا، تو آپ نے عملی قدم بڑھانے میں کوئی پس و پیش نہ کیا، چنانچہ آپ نے میدان بدر میں اپنے صحابہ کے ساتھ قریش کے آئے کا انتظار کیا، قریش کثیر ساز و سامان ایک ہزار مسلح لشکر، سوشہ سواروں اور سات سو اونٹوں کے ساتھ نہایت شان و شوکت سے میدان میں اترے، آپ کے ساتھ صرف تین سو چودہ کا لشکر تھا، جس کے پاس چند تلواریں، تین گھوڑے اور سات اونٹ تھے۔

آپ نے اپنے اطمینان نفس کی خاطر کہ صحابہ میں جنگ کرنے کی کہاں تک استعداد اور اس کا جذبہ موجود ہے، ان سے اس بارے میں رائے دریافت کی، ہاجرین نے سب سے پہلے گفتگو کی اور اپنی بہترین رائے اور اپنی آمادگی کا اظہار کیا، مقداد بن عمرو نے یہاں تک کہا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنے مقصد کو جاری رکھئے قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا ہے، اگر آپ ہمیں برک عماد (ملک یمن میں ایک مقام ہے) میں بھی جا کر جنگ کرنے کا حکم دیں، تو ہم آپ کی قیادت میں اس کے پار بھی جنگ کرنے کو تیار ہیں، رسول اللہ نے ان کا شکریہ ادا کیا پھر آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! مجھے مشورہ دو، گویا آپ کا اشارہ انصار کی طرف تھا، کیونکہ آپ کے ساتھ ان کی بیعت صرف اس حد تک تھی، کہ آپ جب تک ان کے ملک کے حدود میں رہیں، یہ حفاظت کریں گے، اس لئے

آپ کو اندیشہ لاحق ہوا، کہ مدینہ میں اگر دشمن آپ پر حملہ آور ہو، تو شاید اس صورت
 میں یہ آپ کی امداد کریں گے، اور اگر ان کے بیرون حدود میں حملہ آور ہو، تو
 یہ حمایت ان پر فرض نہ ہوگی، چنانچہ سعد بن معاذ نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ
 ہماری رائے پوچھنا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، سعد نے کہا ہم آپ پر
 ایمان لائے آپ کی تصدیق کی، اور شہادت دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ
 برحق ہیں، اس پر ہم نے آپ کی اطاعت و پابندی کے لئے عہد و پیمانہ کیا
 آپ نے جو ارادہ فرمایا ہے یا رسول اللہ! اس کو پورا کیجئے، ہم ہر حال میں
 آپ کے ساتھ ہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق پر مبعوث کیا ہے اگر
 آپ دریا میں گھسنے کا حکم دیں، تو ہم آپ کے ساتھ اس میں کود پڑنے کے لئے
 تیار ہیں، ہمارا ایک فرد بھی اس کے خلاف نہ کرنے پائے گا۔ ہمیں کبھی یہ
 چیز ناپسند نہیں، کہ آپ کل کے دن دشمن سے مقابلہ کریں، ہم آپ سے
 عہد کرتے ہیں، کہ لڑائی میں صبر و استقامت سے لڑیں گے، جنگ کے وقت
 جو اس مردھی اور بہادری کے جوہر دکھائیں گے، شاید خدا ہماری وجہ سے
 آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کر دے، آپ اللہ کا نام لے کر ہمارے ساتھ
 چلنے کے لئے تیار ہو جائیے، آپ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اس تقریر سے بہت
 ہی خوش ہوئے، آپ نے فرمایا آگے بڑھو اور خوش ہو جاؤ، یہ خوشخبری بھی
 سن لو، کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فتح و نصرت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، خدا

میں قوم کے پھٹ جانے کے مقامات کو دیکھ رہا ہوں۔
 جنگ بدر کے دن لشکر اسلامی کی یہ وہ روح تھی، جس نے
 ہاجرین و انصار کے دلوں میں اپنے جذبات کو ظاہر کرنے کی آمادگی پیدا
 کر دی، ان کے نفوس بادلہ ایمان سے لب ریز اور ان کے قلوب منہفم و

اتحاد کی طاقت سے میقتل شدہ تھے، بطلانِ اعظم کی دورانِ اندیشی اور عقل و بصیرت کی یہ روشن دلیل ہے کہ آپ مشورہ و وفاداری کو ملحوظ رکھتے ہیں، آپ کے مشورہ کا ثبوت یہ ہے کہ آپ لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ مشورہ دیں، حالانکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ اگر آپ ان کے ساتھ دریا میں گھس پڑیں یا غار میں کود پڑیں تو یہ ہرگز آپ کی مخالفت نہ کریں گے، آپ کا ادب اور پاس و وفاداری یہ ہے کہ آپ انصار سے اجازت طلب فرماتے ہیں، کیونکہ ان سے اس سے قبل ایسی جنگ کے لئے بیعت نہیں لی گئی تھی؟

جب معرکہ آرائی کی گھڑی آپہنچی، تو ایک قلیل گروہ نے ایک بہت بڑی تعداد پر فتح پالی، آنحضرتؐ کا لشکر ان دو ظاہری اصول کی وجہ سے غالب رہا پہلا اصول منظم و اتحاد کی قوت اور دوسرا موت کو حقیر سمجھنا، لوگوں نے بدر کے دن اس نظام کے معجزہ کو مشاہدہ کر لیا، جب کہ مشرکین کے لشکر نے مضبوط اور مستحکم صفوں پر دھاوا بول دیا، اور ان کو ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا سکے، اور ایسی ثابت قدمی اور استقلال کے جوہر دکھائے، جو اس سے پیشتر شاید ہی سننے میں آئے ہوں، لوگوں نے غزوہ بدر میں اس امر کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، کہ تین سو آدمی جن کی آنحضرتؐ نے تربیت و تنظیم فرمائی تھی، قلیل مدت کے اندر روئے زمین کو، خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے، فتح کر لیتے ہیں اور سیاہ و سفید اور سرخ و زرد کے الٹک بن جاتے ہیں، جنگ بدر کے خاتمہ کے بعد تمام دنیا نے معلوم کر لیا، کہ تنظیم و اتحاد اور موت کو حقیر سمجھنے کے اندر کس قدر زبردست قوت پوشیدہ ہے، پھر اس کے بعد جنگ احزاب میں بھی لوگوں نے اندازہ کر لیا، کہ ایک وہ قوم، جو اپنی زندگی سے زیادہ حق سے محبت رکھتی ہے، کس طرح فتح پائے

ہو جاتی اور تنظیم کی بدولت ایک بہت بڑے لشکر پر غالب آجاتی ہے، واقعہ خندق میں منافقین کی قلعی کھل گئی، یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالا، لیکن آنحضرتؐ کے لشکر کی تنظیم و ترتیب میں کوئی خلل اور آپؐ کی زیر قیادت استقلال و استقامت میں کوئی لغزش واقع نہ ہوئی، یہ سب آپؐ کی عقل و تدبیر اور صبر و شجاعت کے بہترین نتائج تھے کہ مشرکین کی جماعتیں مدینہ سے تاریک رات میں واپس لوٹ گئیں، ان کا شیرازہ منتشر اور ان کی قوتیں تتر بتر ہو گئیں۔

آنحضرتؐ کی یہی وہ سچی قیادت اور پیشوائی تھی، جس نے مدینہ کو جنگ اُحد میں نجات دلائی، اور آپؐ نے اس وقت اقدام میں تیزی سے کام لیا، جب کہ آپؐ کا لشکر دشمن کے مقابلہ سے عاجز ہو گیا تھا، اگر آپؐ اپنے لشکر کے ساتھ جس میں تنظیم و اطاعت کی طاقت پیدا ہو چکی تھی، عجلت نہ فرماتے تو قریش کی قوم مدینہ پر دھاوا بول دیتی اور مسلمانوں کے باقی ماندہ لشکر کا بھی فائدہ کر دیتی، یہی وہ اعلیٰ قیادت ہے، جس نے قریش پر غلبہ پالیا اور ایک ایسا دن آیا، جس میں ہزیمت خوردہ لوگ فتح مندوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔

یہ بعض حقائق و واقعات ہیں، جن کو ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، جو تاریخ کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ پائے جاتے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ آنحضرتؐ کی جلالت و منزلت ایک بادشاہ اور ریاست داں ہونے کی حیثیت سے کیا تھی، اور آپؐ کے اندر قیادت کی قوت کہاں تک کار فرما تھی۔

تعجب و تحیر خیز امر تو یہ ہے، کہ اس عسکری نظام و ترتیب سے اور

واقعات و غزوات، تدبیر و تدبیر اور مشورہ و رائے سے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، اسلامی سلطنت کی تشکیل عمل میں آتی ہے، جو مقصود بالذات نہیں تھی، جس نے تاریخ عالم میں جمہوریت و ریاست کے لئے سنگ بنیاد قائم کیا۔

اب ہم پوری بحث کا خلاصہ مختصر طور پر یوں بیان کرتے ہیں کہ ہرگز ایسی بات کا شبہ نہیں کیا جاسکتا، کہ سلطنت و حکومت آنحضرتؐ کی حقیقی غرض و غایت تھی، بلکہ یہ ایک ضمنی اور عرضی شے تھی، اور یہ ایک ذریعہ تھا شرک و بت پرستی کو دور کرنے کا، وسیلہ تھا خدائے وحدہ لا شریک کا کلمہ بلند کرنے کا، تدبیر و صورت تھی تبلیغ و دعوت کی نشر و اشاعت کی، کیونکہ مکہ والوں نے مسلمانوں پر حدود و مظالم ڈھائے اور ان کو بے جا اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں، جب ان کے انسداد کے لئے آنحضرتؐ کی تمام جدوجہد رائیگاں گئی، اسلامی عقیدہ کی آزادی دشوار اور اس کے معتقدوں اور پیروکاروں کی زندگی دو بھر کر دی گئی اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں ایک طبع حائل ہو گئی تو آپ قوت کا جواب قوت ہی سے دینے کے لئے مجبور ہو گئے اور آپ کو آزادی کا بل کا مطالبہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، اس طرف قرآن مجید نے نصیح و تبلیغ امداد میں اشارہ فرمایا ہے:-

و لولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لفسدت صوامع وبيع و صلوات و مساجد يذكرونها اسماء الله.

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتا رہتا ہے، تو گرجا، عبادت خانے اور وہ مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے، سب مسمار ہو گئے ہوتے۔

الغرض اس جہد و جہاد، عملی اقدام اور جارحانہ مدافعت سے ایک
 اساسی اور بنیادی اصول کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ زبردست اور قسّہ د
 پسند قوموں میں حریتِ اعتقاد کو رائج کیا جائے، جس طرح بطلِ اعظم نے
 شروع اسلام میں مصیبتوں اور ایذاؤں پر صبر و عزیمت سے کام لیا اسی طرح
 آپ نے تنظیم و اتحاد کو مستحکم کرنے اور حکومتِ الہیہ کے قیام کی سعی فرمائی۔
 ہم اپنے آئندہ بیان میں اسلامی حریت اور حکومتِ الہیہ کے بعض
 پہلوؤں پر روشنی ڈالیں گے، جس سے پتہ چلے گا، کہ مدینہ میں بطلِ اعظم آنحضرت اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا سیاسی نصب العین اور اسلام کا اصل الاصول کیا تھا۔

غزوہ بدر کی عسکری قوت

میں یہاں غزوہ بدر کے مقدمات و نتائج کو بیان کروں گا، غزوہ بدر کو تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کا یہ موقعہ نہیں، کیونکہ طوالت کا خوف ہے۔ اسلئے میں صرف اس امر کی طرف اشارہ کروں گا کہ جنگ بدر سے پہلے جزیرہ عرب کی عسکری حالت کیا تھی اور اس کے بعد اس کے اندر کیا تغیرات و انقلابات رونما ہوئے۔

عرب کے لوگ جلد فنون جنگ سے بخوبی واقف تھے، جیسا کہ اس زمانے میں تمام دنیا کی ہی حالت تھی، جس طرح ان کے اطراف کی اور قومیں فنون جنگ سے واقف تھیں، یہ لوگ بھی ان کو اچھی طرح جانتے تھے۔ قریش کی قوم تمام عرب کے قبائل میں دولت و ثروت اور سیر و سیاحت وغیرہ کی حیثیت سے

مشہور و ممتاز تھی، جزیرہ عرب میں دینی سرداری ان ہی کو حاصل تھی، جس سے وہ ہر دشوار گزار مرحلہ میں فائدہ اٹھاتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ مکہ میں ان کا اثر و اقتدار بہت کافی تھا، جس سے وہ ہر وقت لشکر کو تیار کر کے اس سے حتی الامکان کام لیتے تھے، الغرض جس طرح ان کے ہاتھوں میں دینی سرداری تھی اسی طرح فوجی قوت و اقتدار بھی ان کے قبضہ میں تھا، رسول اللہ صلیعہ کی تمام تر کوشش یہ تھی کہ اس فوجی قوت کو قریش کے ہاتھوں سے سلب کر لیں تاکہ تمام جزیرہ عرب آپ کا مطیع و منقاد ہو جائے۔

رسول اللہ صلیعہ کے تیرہ سال کے تلخ تجربات کے بعد جو ان کو متواتر اور مسلسل اپنے دین کی طرف صلح جو یا نہ طریقہ سے دعوت کے سلسلہ میں پیش آئے، سوائے اس کے کہ آپ قریش کی فوجی قوت کا اپنے اعتماد کی آزادی کے لئے مقابلہ کریں، ان سے خاموش رہنا آپ کے لئے ناممکن اور دشوار تھا، غزوہ بدر صرف ایک سطحی اور عرضی چیز نہیں تھی، اور نہ اس سے واقعتاً قریش کے قافلہ پر غلبہ حاصل کرنا مقصود تھا، بلکہ اس سے اصلی غرض و غایت اور مطمح نظر یہ تھا کہ قریش کی اس جنگی قوت و طاقت پر قابو پالیں جس پر ان کو فخر و اعتماد تھا، رسول اللہ صلیعہ کو پہلے ہی سے یہ بات معلوم تھی کہ آپ کے اصحاب کے اندر آپ کے پیدا کردہ متحدہ نظام اور ان کے دلوں میں آپ کی پھونکی ہوئی باطنی روح کے ذریعہ راہ خدا میں قربان ہونے کے جذبات و کیفیات پیدا ہو گئے ہیں، جن سے وہ پہلی جنگ میں منظم ہو کر عربوں کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کر سکتے ہیں، اگر آپ کا مقصد یہ نہ ہوتا بلکہ محض قریش سے جنگ کرنا ہوتا تو آپ قریش کے اس قافلہ پر دھاوا بول دیتے جو شام کی طرف سے کوچ کرتے ہوئے آیا کرتا تھا، آپ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا،

کیونکہ جنگ مکہ سے باہر ہوئی، لیکن آپ نے اس وقت تجارتی قافلہ کا قصد نہیں فرمایا، بلکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ قریش کے لشکر کے ساتھ متابلہ کیا جائے۔

آنحضرتؐ قریش سے جنگ کرنے کے لئے میدان بدر میں ایسے بے سرو سامان لشکر کے ساتھ بڑھے، جن کے پاس اس قدر ساز و سامان نہ تھا جتنا کہ ان کے فریق کے پاس تھا، آپ کے لشکر میں ایک روایت کے مطابق دو شہسوار اور دوسری روایت کے مطابق تین شہسوار سے زیادہ نہ تھے، ان کے پاس سوائے تلواروں کے نہ بکتے تھے، اور نہ ہتھیار، بلکہ اس قدر اونٹ بھی نہ تھے جن پر سواری کر سکیں اور ان پر سامان لا سکیں، بخلاف اس کے قریش اپنے ساز و سامان میں کئی گنا بڑھے ہوئے تھے، ان میں ایک شہسوار تھے، اور ان کی پیدل فوج آنحضرتؐ کے اصحاب سے کئی گنا بڑھ کر تھی، ان کے پاس اس قدر اونٹوں کی کثرت تھی کہ اگر وہ روزانہ دس بھی اپنے کھانے کے لئے ذبح کرتے تب بھی کافی ہو سکتے تھے، اس وقت ان کے ہاتھ ہر قسم کے آلات و اسلحہ اور جنگی ساز و سامان موجود تھے، ان کے اندر جنگی استعداد خصوصاً اس معرکہ میں کافی طور سے پائی جاتی تھی، لیکن آنحضرتؐ کے اصحاب کے نزدیک تین ایسے عظیم الشان اصول تھے، جن کی وجہ سے انھوں نے اپنے ساز و سامان اور لشکر کی کمی کے باوجود کوئی پروا نہ کی، وہ تین اصول یہ تھے:

(۱) عظیم محمد صلعم نے ان کی جو تربیت و اصلاح کی خواہ وہ مختلف مظاہر و احوال کی شکل میں ہو یا عبادت کی صورت میں، یا عقیدہ توحید میں یا عمل صالح میں، یا دنیا و آخرت پر مساوی طور پر ایمان لانے میں، یا اپنی زندگی

جو کورامحق میں قربان کر دینے کی صورت میں اور اپنے خاندان اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے میں غرض کہ ہر حالت میں ہر طریقہ سے ان کی اصلاح فرمائی، اس طرح ان کے دل اطاعت رسول اور ان کے حاکموں کی اطاعت و فرمانبرداری میں ڈوبے ہوئے تھے، اس تربیت و اصلاح نے ان کے اندر ایک حیرت انگیز نئی قوت پیدا کر دی جو اس سے پہلے عربوں کے وہم و خیال میں بھی نہ گزری تھی، یہ اسی منظم و اتحاد اور اجتماعیت کی قوت کا نتیجہ تھا کہ جس نے مسلمانوں کے لشکر کو مشرکین کی زبردست فوجوں پر فتح اور کامیابی نصیب کی۔

(۱۲) ایک باطنی اور روحانی قوت جس نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت کو بھر دیا تھا، کیونکہ وہ لوگ مشرکین کے خلاف قیامت پر ایمان رکھتے تھے، اسی وجہ سے انھیں معلوم تھا کہ موت محض فنا و مطلق کا نام نہیں ہے، بلکہ مرتبہ شہادت کے ساتھ ساتھ ایک جاودانی اور بہترین زندگی ہے جو دنیوی زندگی سے بدرجہا افضل اور برتر ہے۔

ایک سو سالہ نوجوان نے مسلمانوں کے لشکر میں آنحضرتؐ کو مسلمانوں کو جنگ پر ترغیب دیتے ہوئے اور ان کو جنت کی خوشخبری اور وعدہ سناتے ہوئے سنا تو کہا، اب تو میرے اور جنت کے درمیان صرف یہی کچھ رکاوٹ ہے، یہ اس وقت کچھ رکھا رہا تھا اس نے ان کو پھینک دیا اور مشرکین کی صفوں میں اپنی تلوار لیکر گھس پڑا اور جو انمردی اور بہادری سے مقابلہ کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ اس میں شہید ہو گیا۔

(۱۳) امیر اصول و عدت قیادت ہے، مسلمان اپنے امیر اور قائد کی اطاعت اور اخلاص کیشی میں فنا ہو جانے میں ممتاز تھے، یہ وہ تین اصول ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک عظیم الشان انقلاب

برپا کر دیا، ان کی قوتیں کئی گنا بڑھ گئیں۔

ہم یہاں دوران جنگ کے حالات بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلعم
صفوں کو درست کر رہے تھے، ایک شخص معف کے کچھ باہر نکل گیا، آپ
نے اس کو دھکا دیا، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف دی
میں اس کا بدلہ آپ سے لوں گا، آپ نے اپنے شکم مبارک پر سے کپڑا ہٹا دیا
اور فرمایا اپنا بدلہ لے لے اس شخص نے حضور کے شکم مبارک کا بوسہ لے لیا،
بنی کریم نے فرمایا ایسا کیوں؟ اس نے کہا میں نے چاہا کہ میری زندگی کا خاتمہ
اسی پر ہو جائے۔

یہ وہ اہم اسباب ہیں جن سے مسلمانوں کو باوجود اسلحہ و سامان جنگ
کے فقدان اور لشکر کی کمی کے حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی، یہ خیال نہ کرنا
چاہیے کہ قریش کے اندر باطنی قوت اور اتحاد و تنظیم کی طاقت منقود تھی۔
بلکہ ان کے پاس ایک کامل نظام موجود تھا جس پر ان کو فخر و ناز بھی تھا، اپنی
عسکری طاقت کی حفاظت ابن حضرمی کے قتل سے انتقام کی رغبت، اپنی
آزادی تجارت کے عزم و حفاظت اور تجارتی راستوں کی سلامتی وغیرہ
کی وجہ سے ان کے اندر بھی بہادری اور عزیمت کے جذبات پیدا ہو گئے
تھے، ان تمام اسباب نے ان کو مروانہ وار مقابلہ کرنے پر آمادہ کر دیا تھا یہاں
تک کہ ان میں سے ایک شخص نے جو مسلمانوں کے لشکر کے درمیان حوض
تک جانے کی قسم کھائی، یہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کا ایک پاؤں
کٹ گیا تب بھی وہ اپنے آپ کو حوض تک پہنچایا اور اپنے دوسرے پاؤں
سے اس کے ایک جز کو گرا دیا جب ابو جہل زخمی ہو گیا تو مسلمانوں میں سے
ایک شخص اس کے پاس گیا، وہ حالت نزع میں دم توڑ رہا تھا، اس شخص

اس کے پاس گیا، وہ حالتِ نزع میں دم توڑ رہا تھا، اس شخص نے اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ کر کہا اب تو تو نے دیکھ لیا کہ خدا نے مجھے کس طرح ذلیل و رسوا کیا، اُس نے جواب دیا، اس میں رسوائی کی کوئی بات ہے، کیا قتل ہو جانے سے مجھے کوئی غار ہے، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قریش کی عسکری قوت کہاں تک بڑھی ہوئی تھی، اور پھر اس کے مقابلہ میں اسلامی لشکر کی ہمت اور قوت اور بہادری کس حد تک تھی۔

معرکہ آرائی کی کیفیت یہ تھی کہ اسلامی لشکر شمال سے جنوب کی طرف بڑھا، جب بدر کے مقام میں پہنچا تو اس کی داہنی طرف (بیمنہ پر) اودھے اپنے ٹیلوں کا ایک سلسلہ تھا، اسی طرح اس کے بائیں جانب (یسرہ پر) کچھ بلند پیراؤں کا سلسلہ تھا۔

کفار کے لشکر کے سامنے ریت کے ٹیلے تھے جو وادی بدر کی مغربی جانب واقع تھے، اور اس کے دائیں طرف سخت اور کچھ بلند زمین تھی۔

ان چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے درمیان کی نرم زمین میں فریقین میں بڑبھڑھائی ہوئی، معرکہ کی پہلی رات زوروں سے جاڑا تھا قریش کی اس جانب زوروں سے بارش پڑی اور مسلمانوں کے اس طرف بہت کم بارش ہوئی، جس سے قریش کا لشکر آگے میدانِ بدر میں بڑھ نہ سکا۔ جب صبح ہوئی تو آفتاب مشرق سے کفار کے سامنے نمایاں ہوا جو ان کے لئے

بہت ہی زیادہ تکلیف کا باعث بنا کیونکہ ان کا رخ مشرق کی طرف تھا، دونوں فریق میں ایک گھسان کی لڑائی ہوئی، شہسوار صفوں میں پیش قدمی کرتے تھے، اور باہم زور آزمائی ہوتی تھی، اودھو بنو ہاشم میں سے تین بہادر سپاہی آگے بڑھے، اودھو مشرکین کے تین سرداروں نے ان کا

مقابلہ کیا، چند ہی لمحات میں مسلمان ان کے لشکر میں گھس پڑے، یہ جنگ کے شروع ہونے کی بہترین تدبیر تھی، جس کا رسول اللہ صلعم نے حکم دیا تھا، مسلمان لشکر کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ پر استقامت سے کھڑے رہے، ایک قدم بھی آگے یا پیچھے نہ ہو اور دشمن کے لشکر پر تیر پھینکتے رہے، قریش نے پہلی ہی مرتبہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ معدودے چند پیدل اشخاص کس طرح بخوف و خطر شہسواروں کا مقابلہ کر رہے ہیں اور بہت و استقلال سے اپنی جگہ کھڑے ہوئے ہیں، جو لوگ کہ فن جنگ کے ماہر و تجربہ کار ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایک کثیر و جبار لشکر سے کس قدر بہت و رعب طاری ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ مردانہ وار بے خوف و خطر اپنی جگہ کھڑے ہوئے مقابلہ کر رہے ہیں، ادھر رسول اللہ صلعم جنگ کرنے کا شوق دلا رہے ہیں، ادھر مشرکین اپنے کثیر اسلحہ و سامان اور فراداں لشکر کے ہمراہ جو انزدی کے ساتھ لوگوں سے جنگ کر رہے ہیں، جن کے پاس جنگی اسلحہ و سامان اور لشکر نہیں ہے جنہوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دے رکھی ہے، آخر کار مشرکین کو شکست ہوتی ہے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، انہیں قید کر لیا، لیکن لوٹ مار اور غارت نہیں کیا، جیسا کہ اس زمانہ میں عربوں کی حالت تھی کہ وہ جنگ کے موقع پر لوٹ مار کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ کفار قریش کا لشکر بھاگ گیا، اس طرح کفار قریش پسا اور رسوا ہو گئے۔

کفار کے لوگ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقتولوں سے ہلکا زیادہ مارے گئے، ان کے قیدیوں کی تعداد مقتولین کے برابر تھی، ہم یہاں امر کی نہیں کہ جنگ بدر میں کثیر تعداد میں مقتولین ہوئے، ایک بہت بڑی تعداد میں قید ہوئے، بے شمار مال غنیمت جلا بلکہ ہم اس بات کی بھی کہ قریش نے

وادی بدر میں اپنی سیادت و قیادت و فن کر دی، ہم یہ نہیں کہ محمد صلعم اپنے دشمنوں کو قید کر کے مدینہ لوٹے بلکہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امر تو یہ ہے کہ آپ نے مٹھی بھر جماعت سے کفار کی عسکری قوت کو تار و پود کس طرح بکھیر دیا۔ نبی کریم صلعم فتح مدینہ سے مدینہ پہنچے تو ثابت ہو گیا کہ جس عسکری نظام کو آپ نے قائم کیا، وہ ایک حیرت انگیز تشکیل تھی، بدر میں اسلامی لشکر کے تو این وضع کئے، یہی لشکر آئندہ اسلامی فتوحات کا پیش خمیہ ثابت ہوا۔

چنانچہ جنگ بدر کے بعد سے اسلام سعادت کے ساتھ پھیلنے لگا اسلامی لشکر مشرق و مغرب اور دنیا کے تمام ممالک پر اپنے فتوحات کا سیلاب بہاتا ہوا چھا گیا، بڑی بڑی سلطنتوں اور حکومتوں پر غلبہ حاصل کر لیا، ان ہی دو چیزوں یعنی تنظیم و اتحاد اور موت کو حقیر سمجھنے سے فتح مندوں کے جھنڈے ہراتے فتح و نصرت کے لئے یہی دو چیزیں لازمی اور ضروری ہیں، جب تک مسلمان اپنے ان دو اصول پر جن کو رسول اللہ صلعم نے مقرر کیا ہے، کاربند نہ رہیں ان کی پہلی حکومت لوٹ کر نہیں آسکتی۔

جہاد و حریت

ہم نے گزشتہ بیان میں جہاں رسول اللہ صلعم کے غزوات اور آپ کی فوجی نقل و حرکت کا ذکر کیا ہے وہاں بتلایا ہے کہ اس جنگ کا مقصد نہ صرف تبلیغ اسلام کی آزادی تھا بلکہ تمام ادیان سماویہ میں حریت اعتقاد تھا جس پر قرآن مجید کی یہ آیتیں صراحت کر رہی ہیں :-

جنگ کی ان لوگوں کو اجازت دے دی

اذن للذین یقاتلون

گئی، جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس

بأنہم ظلموا دان اللہ

وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور

علی نصرہم لقد یر

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے

پر پوری قدرت رکھتا ہے، جو اپنے

الذین اخرجوا من ديارهم
 بغیرِ حقٍ الا ان یقولوا
 ربنا الله -

گھروں سے ناحق نکالے گئے۔
 محض اپنی بات پر کہ وہ یوں کہتے
 ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

یہاں جنگ کی اجازت کو دین میں رکاوٹ پیدا کرنے اور خدا کی
 عبادت کرنے میں لوگوں کی آزادی کو چھین لینے کی غلت قرار دیا گیا ہے
 ذیل کی یہ آیت مشر و غیرت قتال پر دلالت کرتی ہے۔

وقاتلوهم حتی لا یكون
 فتنةً ویكون الدین كلہ
 لله فان انتھرو فان الله
 علی ما تعملون بصیرۃ

اور تم ان سے جنگ کرتے رہو
 تا وقتے کہ فتنہ دور نہ ہو جائے اور
 دین تمام تر اللہ ہی کے لئے ہو جائے
 اگر وہ جنگ کرنے سے باز رہیں،
 تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر
 نظر رکھنے والا ہے۔

یہاں پر بھی جنگ کی علت غائی فتنہ و فساد کا افسدہ و قرار دیکھی
 ہے کہ مسلمانوں کو زبردستی ان کے عقیدہ سے منحرف کرنا بہت بڑا فتنہ
 ہے، اگر وہ اس زبردستی اور ظلم و فساد سے باز رہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد
 کر دیا جائے گا، چنانچہ اس آیت میں اس کی جانب ارشاد ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ
 الذین یقاتلونکم ولا
 اعتدوا ؕ

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں
 سے جنگ کرو جو تم سے جنگ
 کرتے ہیں لیکن تم اپنی حد سے تجاوز
 نہ کرو۔

یہاں قتال کا حکم حریت کی مدافعت کے لئے دیا گیا ہے اور ظلم و زیادتی کرنے سے منع کیا گیا ہے، پھر ذیل کی آیت میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ کس طرح ادیان ساریہ کی آزادی کی مدافعت کے لئے قتال مشروع ہے، اس سے غرض و غایت یہ ہے کہ مسلمان آزادی کے ساتھ نماز قائم کریں، مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور برتاؤ کریں، اور علی الاعلان بے خوف و خطر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو فحارمی کے ظلمت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت یا جاتا ہے، سب منہدم ہو گئے ہوتے، اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اللہ کی مدد کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے، یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں، زکوٰۃ دیں، نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيراً ولينصرن الله من ينصره ان الله لقوى عزيز والذين امن مكناهم في الارض اقاموا الصلوات وآتوا الزكاة وامنوا بما نزلنا عن المنكر والله عاقبة الامورة

منع کریں، اور سب کاموں کا انجام تو
خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اسلام کی غرض و غایت جنگ سے محض
فتنہ و فساد کا انسداد کرنا اور لوگوں کی تکلیفوں اور اذیتوں کو دور کر کے ان
کے عقائد میں آزادی دلانا ہے۔

یہ فتنہ قتل و خونریزی سے بھی زیادہ خوفناک اور انجام جنگ سے بھی
زیادہ ہلک ہے، چنانچہ اس آیت میں اسی کی تصریح کی گئی ہے:

لوگ آپ سے شہر حرام میں قتال
کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ
فرمادیجئے کہ اس میں خاص طور پر

قتال کرنا جرم عظیم ہے، اور اللہ تعالیٰ
کی راہ سے روک ٹوک کرنا اور اللہ تعالیٰ

کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے
ساتھ اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل
تھے ان کو اس سے خارج کر دینا

جرم عظیم ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک
اور فتنہ پر وازی کرنا قتل سے

بدتر جہا بڑھ کر ہے، یہ کفار تمہارے

ساتھ ہمیشہ جنگ رکھیں گے اس

غرض سے کہ اگر تابو پالیں تو تم کو تمہارے

دین سے پھیر دیں۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ

قِتَالِ فِيهِ قِتَالٌ فِيهِ كِبِيرٌ

وَصَدَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفْرٍ بِهِ

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَآخِرَ آيَاتِ

أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَ

الْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا

يُرَادُونَ بِقَاتِلِيكُمْ حَتَّىٰ

يُرَدُّوكم عَنْ دِينِكُمْ وَأَنْ

اسْتَطَاعُوا۔

حضور اکرم کا مقصد جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے محض دین اور اعتقاد کی آزادی کے لئے مدافعت تھی اور اس حریت کی حفاظت کے لئے مشرکین سے جنگ و قتال لازمی ہے۔

جب محمد صلعم کے دین کو مدینہ میں سکون و اطمینان کی سانس نصیب ہوئی اور محسوس ہونے لگا کہ اب دشمنوں سے کوئی خوف و اندیشہ نہیں اور ان کے فتنہ و شر کے لئے کوئی سبیل نہیں، اسلامی حکومت و سلطنت کی قوت و شان مدینہ کے اطراف و اکناف یہود و مشرکین کے قلوب پر مستولی ہو چکی ہے اسلامی عظمت و ہیبت قبیلوں کے دلوں پر طاری ہو گئی ہے، آپ کی شہرت اور دعوت کے ڈنکے تمام جزیرہ عرب میں بجنے شروع ہو گئے ہیں، مکہ تک تمام راستوں پر پورا تسلط ہو گیا ہے اور آپ نے تجارتی آزادی دے دی ہے اور اسی وجہ سے تلوار میان میں ہمیشہ رکھے رہنے کا حکم بھی صادر کر دیا ہے، تو آپ نے اپنی فکر رسا، ذہن ثاقب اور بصیرت عفتل سے محسوس کیا کہ مکہ کے ساتھ صلح کرنے کا وقت قریب آچکا ہے، اس لئے آپ ہاجرین اور انصار کے لشکر اور ان کے حلیفوں کی جماعت کے ساتھ قربانی کے اونٹ ساتھ لئے ہوئے چلے اور اعلان کر دیا کہ جنگ کرنے کے مقصد سے نہیں بلکہ حج کرنے کے لئے آ رہے ہیں۔

جب قریش کو آپ کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ آپ کو بیت اشرے روکنے کے لئے نکلے، انھوں نے آپ کے اس طرح شان و شوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہونے کو مناسب نہ سمجھا اور اس خیالی سے انکار کر دیا کہ عرب کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ آئے کہ محمد صلعم نے کعبہ کا طواف کر لیا اور شان و شوکت اور قوت کے ساتھ مکہ میں آئے، انھوں نے آپس میں معاہدہ کر لیا اور سبھوں نے

کسم لے لی کہ آپ کو مکہ میں کبھی داخل نہ ہونے دیں گے ادھر آنحضرتؐ کا لشکر منتظر کھڑا ہے اور شہر میں داخل ہونے سے انکار کی صورت میں مشرکین کے گھروں میں گھسنے کے لئے جوش و خروش میں ڈوبا ہوا ہے، لیکن ادھر آنحضرتؐ ایک دوسرے امر میں انھیں ترغیب دے رہے ہیں، مدینہ سے نکلنے کے وقت ہی جنگ نہ کرنے کا عزم کر لیا گیا تھا، محمد صلعم کو اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز باز رکھنے والی نہیں تھی، آپ کے مقصد کو کوئی شخص روکنے والا نہیں تھا۔

آپ نے قریش کی اس بے جا زیادتی پر صبر کیا اور آپ نے اصحاب کے ساتھ ایک دشوار گزار راستہ اختیار کیا تھا کہ یہ دشمنوں پر حملہ نہ کر بیٹھیں اور مشرکین کو اپنے اس اقدام پر غور و فکر کرنے کے لئے موقع مل جائے، آپ نے فرمایا آج کا دن قریش صلعم جمعی کو مجھ سے پوچھتے تو میں دیدیتا۔

جب آپ حدیبیہ میں داخل ہوئے تو قریش نے اپنی سرکشی کی انتہا کر دی اور قربانی کرنے اور بیت اللہ کا طواف کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ قربانی کے لئے اونٹنیاں لائی گئی تھیں اور حج و عمرہ کا احرام بھی باندھ لیا گیا تھا۔

آپ نے جب اپنے ارادہ کی مزید توضیح کرنے کے لئے اپنا سفیر ان کے پاس بھیجا تو انھوں نے اس کے اونٹ کے پاؤں کاٹ ویئے اور اس کو قتل کرنے کا قصد کر لیا، آپ برابر اپنے سفیر ان کے پاس بھیجتے رہے، اور انھیں نصیحت کرتے رہے لیکن انھوں نے اپنی سرکشی اور تکبر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، انھوں نے اپنے آدمی بھیجے اور بنی کریم صلعم کے لشکر کا طواف کرنے کا انھیں حکم دیا، وہ گرفتار کر کے آپ کے پاس لائے گئے

لیکن آپ نے انھیں معاف کر دیا اور چھوڑ دیا۔

محمد صلعم کے اس صبر سے ایک فوری نتیجہ پیدا ہو گیا کہ عربوں نے معلوم کر لیا کہ آپ کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے، قریش کے حلیفوں نے قریش کے پاس فعل پر عدم رضامندی کا اظہار کیا اور بھٹیوں کے سردار نے اعلان کر دیا کہ وہ لوگوں کو بیت اللہ سے روکنے پر ہرگز راضی نہیں ہیں، انھوں نے ایسے کام کے لئے قریش سے ہرگز معاہدہ نہیں کیا، ثقیف نے بھی انھیں نصیحت کی کہ وہ محمد صلعم کو نہ روکیں، انھوں نے مسلمانوں کے رعب اور ان کی قوت سے انھیں خوف دلایا، غرض کہ ان اسباب سے رسول اللہ کا مقصد (یعنی صلح) پورا ہو گیا چنانچہ قریش کی جانب سے سہیل بن عمرو قاصد بن کر آپ کے پاس اس بات پر صلح کرنے کے لئے آیا کہ آپ اس سال واپس جائیں اور آئندہ سال جبکہ قریش اجازت دیں توجح کریں اور مکہ میں صرف تین دن قیام کریں، مسلمانوں پر یہاں سے لوٹنا بڑا شاق گزرا لیکن رسول اللہ صلعم نے اس صلح کو قبول فرمایا دس سال تک امن و صلح قائم کرنا معاہدہ ہوا، قریش نے یہ شرط لگائی کہ ان دس سالوں کے درمیان اگر قریش کا کوئی شخص بغیر اس کے رشتہ داروں کی اجازت کے محمد صلعم کے پاس پناہ گزین ہو جائے تو اس کو قریش کے پاس لوٹا دیں لیکن قریش اور اس کے حلیف بنی کریم کے کسی شخص کو جو ان کے پاس پناہ لینے کے لئے آئے تو واپس نہیں کریں گے۔

جب آنحضرت نے اس شرط کو بھی قبول فرمایا تو حضرت عمر بن الخطاب

آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک، انھوں نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں، آپ نے

جو اب دیا بے شک، انھوں نے کہا کیا وہ مشرکین نہیں ہیں آپ نے فرمایا ہاں
 کہا پھر ہم کس طرح اپنے دین میں یہ زلت گوارا کر سکتے ہیں، آپ نے فرمایا میں
 خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کی غلامت و ریزی نہیں کر سکتا
 مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کریگا۔

قریب تھا کہ اس معاہدہ اور شروط سے اور کعبہ اشتر کی زیارت سے
 واپس لوٹ جانے کی وجہ سے مسلمان اپنے غم و غصہ کے اظہار میں کوئی بے اعتدالی
 کر بیٹھیں لیکن محمد صلعم کی تعلیم و تربیت اور صلح و آشتی قائم کرنے کے متعلق آپ
 کی عزیمت اور ارادہ نے مسلمانوں کو جاوہ اعتدال پر قائم رکھا، جب معاہدہ
 لکھنے کا وقت آیا تو رسول اللہ صلعم کے صبر کا مظاہرہ ہوا، کیونکہ جب آپ نے
 حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ لکھو:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم تو قریش کے سفیر سمیل بن عمرو نے کہا ٹھہر جائیے
 میں یہ الرحمن الرحیم کیا چیز ہے نہیں جانتا بلکہ اس طرح لکھئے باسمک اللهم،
 آپ نے فرمایا یہی لکھو، پھر آپ نے لکھو انا شروع کیا کہ یہ وہ صلح ہے جس کو
 محمد الرسول اللہ نے سمیل بن عمرو سے کی ہے، سمیل نے کہا ٹھہر جائیے
 اگر میں آپ کو اللہ کا رسول جانتا تو آپ سے جنگ کیوں کرتا۔ آپ اپنا
 اور اپنے باپ کا نام لکھئے آپ نے فرمایا لکھو یہ وہ صلح ہے جس کو محمد بن عبد اللہ
 نے سمیل بن عمرو سے کی ہے یہاں پر رسول اللہ صلعم کا انصاف اور آپ
 کی کشادہ دلی ظاہر ہوتی ہے۔

معاہدہ ہو چکا اور مسلمان بادل ناخواستہ بوٹ گئے، بعض لوگوں
 کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے کہ آپ نے کس طرح یہ شرط
 قبول کر لی کہ جو قریش کا آدمی آپ کے پاس آئے اس کو واپس لوٹا دیں

اور آپ کا کوئی شخص ان کے پاس چلا جائے تو وہ نہ پوچھے اور قریش کے کہنے کے مطابق آپ سچ سے باز رہے، لیکن رسول اللہ صلعم کو اپنے مقصد سے کوئی چیز باز نہ رکھ سکی آپ تو یہی چاہتے تھے کہ صلح و آشتی کے سایہ میں تبلیغ اسلام کی آزادی حاصل ہو جائے اور آپ اسی میں کامیابی کی راہ پاتے تھے ابھی مسلمان راہ میں تھے کہ سورہ فتح نازل ہوئی ہے، قرآن مجید نے اس صلح کا نام فتح ببین رکھ لی ہوئی فتح رکھا۔

بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا
فتح دی، تاکہ اب اللہ تعالیٰ آپ کی
سب اگلی پچھلی خطائیں معاف
کر دے اور آپ پر اپنے احسانات
کی تکمیل کر دے اور آپ کو یہ سب
راستہ پر لے پلے۔

انا فتحناك فتحاً مبيناً
يغفر لك الله ما تقدم
من ذنبك وما تاخروا
نعمته عليك ويهديك

صراطاً مستقيماً

اس کے بعد رسول اللہ صلعم کی وائمانی، صداقت اور خدائے تعالیٰ کا وعدہ ظاہر ہو گیا، لوگ دین اسلام میں جوق جوق داخل ہونے لگے، ابھی صلح حدیبیہ پر دو سال کی مدت گزرنے نہ پائی تھی کہ گزشتہ بیس سال کے اندر جتنے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اس سے کئی چند تعداد میں داخل ہونے لگے، یہ صلح جس کو حضور صلعم نے مسلمانوں کے ارادہ اور قریش کی کشری اور بغض و عناد کے مقصد کے خلاف اختیار کی تھی اسلام کے لئے سراسر باعث برکت و عظمت ثابت ہوئی، اس سے بڑھکر کوئی فتح اس کے قبل

کہیں دیکھی گئی :

قریش نے جو یہ شرط لگائی تھی کہ مسلمان ہو کر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اس کو کفار کے حوالہ کر دیں تو اس صلح کے ایک سال بعد انہوں نے چاہا کہ اس شرط کو منسوخ کر دیں اور رسول اللہ صلعم اس کو قبول کر لیں اسکی وجہ یہ پیش آئی کہ بعض کمزور مسلمان رسول اللہ صلعم کے پاس پناہ لینے کے لئے آتے تو آپ ان کو معاہدہ کے مطابق کفار کے سپرد کر دیتے تھے جب ابو بصیر اسلام لائے تو کفار کے ہاتھوں سے بچنے کے لئے دریا کے کنارہ ایک مقام کی طرف فرار ہو گئے، ان کو دیکھ کر وہ مسلمان جو مدینہ میں جا کر پناہ نہیں لے سکتے تھے وہ بھی ان کے پاس بھاگ نکلے، یہاں تک کہ ان کی ایک کثیر جماعت ہو گئی، مکہ سے جو قافلہ تجارت کی غرض سے وہاں سے گزرتا ان لوگوں لے اس پر لوٹ مار کرنا شروع کر دیا اس طرح قریش کو ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا مجبور ہو کر نبی کریم صلعم کے پاس آ کر گزارش کی کہ آپ ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیں، اور یہ شرط باطل کر دیں اور جو شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آنا چاہے، آسکتا ہے، چنانچہ آپ نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی، یہ رسول اللہ صلعم کی زبردست سیاسی تدبیر کا نتیجہ تھا، آپ نے اپنے دشمنوں کا مطالبہ قبول فرمایا ان کو تجارت کرنے کا حکم دیا اور ثابت کر دیا کہ آپ کا مقصد جنگ کرنے کا نہیں بلکہ حریت اعتقاد اور حریت تبلیغ کو حاصل کرنا ہے، آپ کا ارادہ ہرگز مکہ کی تجارت کو لوٹنے اور اپنا انتقام لینے کا نہیں ہے، جیسا کہ بعض دوسرے ادیان کے بعض مصنفین نے گمان کیا ہے :

آپ نے اپنے لشکر کو بالخصوص ایسے زمانہ میں جبکہ آپ کے قبضہ میں

۱
 مکہ کے شمال و جنوب کے تجارتی راستے آپکے تھے، دس سال تک کے لئے
 ایک مشکل شرط کے ساتھ صلح جوئی پر آمادہ کیا، آپ اگر چاہتے تو مکہ اور طائف
 کے درمیان تجارتی قافلہ کو روک سکتے تھے اور ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں
 کو بلا سکتے تھے، اس میں کسی کو دم مارنے کا یا رانہ ہوتا لیکن آپ نے معاہدہ
 کو پیش نظر رکھا؛

جب آپ کو اس صلح کی وجہ سے قریش سے اطمینان ہو گیا تو آپ
 عالم کے بڑے بڑے بادشاہوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کی طرف
 متوجہ ہوئے اور اپنے لشکر کو روم کی جانب روانہ فرمایا، جہاں کے بادشاہوں
 نے اسلامی سفیروں کو قتل کرنا شروع کیا تھا، اور تبلیغ کی راہ میں حائل
 ہو گئے تھے؛

محمد صلعم نے پہلے پہل اپنے لشکر کو تیزی کے ساتھ جزیرہ عرب سے
 دوسرے ممالک میں بھیجنے میں دو راندیشی اور اصرار سے کام لیا، عربوں
 نے آپ کے عظیم نشان مقصد اور آپ کی غرض و غایت کی اہمیت و بلندی
 کو سمجھ لیا، اسی وجہ سے وہ تمام ایک متحدہ قومیت کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے
 اس طرح دعوت و تبلیغ اسلام کے پھیلنے اور پھیلانے کے لئے ان کے اندر
 بہت بڑی استعداد و صلاحیت پیدا ہو گئی آپ نے عملی میدان میں قدم
 دھرنے میں سرعت کی، اپنی دانائی، عقلمندی اور دو راندیشی سے محسوس
 کر لیا کہ مدینہ میں عربوں کی دولت و سلطنت کے ٹھور پر سلطنت رومانہ کو
 صبر و تاب نہ رہے گا۔ اور وہاں کے لوگ مقابلہ کرنے کے لئے ضرور آمادہ
 ہو جائیں گے آپ کی فتح مندی کا یہ عالم ہے کہ جس قوم سے غزوہ اور جہاد کرتے
 ہیں اس پر تیاب ہوتے ہیں اور جو قوم آپ کے مقابلہ کے لئے آتی ہے وہ

ذلیل و خوار ہوتی ہے آپ کا اس طرح سے فوجی نقل و حرکت کرنا تعجب خیز
 امر ہے جو آپ کی بے نظیر سیاسی تدبیر و ادراک اور حدیم المثال جنگی وراثت
 پر دلالت کرتا ہے۔

روم کے غزوہ سے عربوں کے جذبات و خیالات انتقام لینے اور
 لوٹ مار سے بہت بلند ہو گئے اور ان کی باطنی حالت دنیوی اغراض و مقاصد
 سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہو گئی۔

اس طرح رسول اللہ صلعم نے قبیلہ سے وطن، پھر قومیت پھر سلطنت
 اسلامی (یعنی حکومت الہیہ) تک رسائی حاصل کی اور اس سلطنت کے
 لئے عربوں کو انتخاب کیا اور ان کے اندر اپنی ایسی روح پھونکی جس کی وجہ
 سے انھوں نے قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا، اس کے بعد ایک
 ایسی اسلامی سلطنت قائم ہوئی جو عنصرت، عبصیت رنگ و امتیاز
 خاندان و قبیلہ سے پاک و منزه ہے، جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے
 سوار اور کسی چیز کی خصوصیت و امتیاز نہیں ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے دشمنان اسلام میں سے ہر عقلمند اور صاحب

بعصرت نے خواہ وہ جزیرہ عرب کا ہو یا دوسرے ممالک کا اس بات کو چھی
 طرح محسوس کر لیا کہ محمد صلعم نے متفرق اور منتشر قوم کو جو روم اور فارس کی نظروں
 میں نہایت حقیر و ذلیل تھی ایک جگہ جمع کر کے اپنا جھنڈا ایسا لہرایا ہے کہ اس کے
 سامنے دنیا کو تسلیم خم کرنا پڑیگا اور آپ کے جھنڈے تلے آنا پڑیگا چنانچہ قریش
 کے دو بہادر خالد بن ولید اور عمرو بن عاص جو بعد میں اسلامی بطل ہوئے اور
 مخزوم و سہم کے سردار جو قریش کے قبیلوں میں سے محمد صلعم اور اسلام کے
 سخت ترین دشمن تھے آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، اس میں سے ایک

فتح عراق اور بطل مشرق اور دوسرا فتح مصر اور بطل مغرب کہلائے جائیگا مستحق
ہوا۔

قریش نے اپنی تنگ نظری کی بنا پر صلح حدیبیہ کو توڑ دیا اور نبی کریم کے
حلیفوں کے خلاف مدد پہنچائی تو آپ نے اپنی معہودہ عزیمت اور فہم و فراست
سے اس کو قبول فرمایا اور تجدید معاہدہ سے انکار کر دیا اور اندرونی طور پر اپنی
قوت بڑھانی شروع کی، اپنے خیال کو صیغہ راز میں رکھا۔ اور دس ہزار کا لشکر
لے کر مکہ میں داخل ہوئے، اب یہاں جو معدودے چند لوگ رہ گئے تھے بھلا وہ
کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے، اس لئے سوائے قبول اسلام کے اور کوئی چارہ
نہ تھا اور قریش کا عجز بالکل ظاہر تھا۔

فتح مکہ سے رسول اللہ صلعم کی حسن سیاست، جو دت فکر، جو بہ عقل اور
حکمت عالی طور پر نمایاں ہو گئی، دولت اسلامیہ جزیرہ عرب میں مستحکم اور مضبوط
بنیادوں پر قائم ہو گئی، کعبۃ اللہ میں پھر وہی روح پروردور آیا گیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام
کے زمانہ میں تھا اور یہ شرک و بت پرستی سے یکدم پاک ہو گیا۔ توحید کا مرکز
قرار پا گیا، رکوع، سجدہ، قیام اور اعتکاف کرنے والوں کا قبلہ ہو گیا۔

سیاسی واقعات

ہم نے گزشتہ باب میں آپ کی سیاست کی خوبی، دور اندیشی اور حکمت عملی سے بحث کی تھی، جس میں بطل اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو واضح کرنے کیلئے آپ کے بعض اہم سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی تھی؛

اب ہم یہاں پر بعض مثالیں پیش کرتے ہیں کہ آپ نے حوادث و مشکلات میں کس تدبیر اور دور اندیشی سے کام لیا۔ تاکہ آپ کی دانائی، اندازہ کی خوبی اور آپ کا ذوق سلیم نمایاں ہو جائے، ہم اس کے بعد سمجھیں گے کہ ہم نے حتی الامکان آپ کے صفات جلیلہ اور اخلاق فاضلہ کی ایک ایسی تصویر پیش کر دی ہے، جس سے آپ کی بے نظیر ہستی یقینی طور پر لوگوں کے اذہان میں سما سکتی ہے سب سے پہلے ہم بیان کریں گے کہ آپ نے منافقین کے لیڈر

اور خزیج کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول کے ساتھ کیا کیا، جب بنی کریم حکم
 ہجرت کر کے مدینہ میں آئے اور آپ کی شان و عظمت روز افزوں بڑھنے
 لگی تو عبداللہ نے بغاوت کا ارادہ کیا، اور فتنہ و فساد پھیلانے کے درپے
 ہو گیا، اس کا پوشیدہ فاسد ارادہ بنی مصلوٰی میں جبکہ رسول اللہ صلعم دشمن کے
 ساتھ جنگ کرنے میں مشغول تھے ظاہر ہو گیا، عبداللہ اس وقت فتنہ و فساد
 برپا کرنے کو تھا، اور مسلمانوں کو نہ صرف امداد پہنچانے سے باز رہا، بلکہ ان کی
 قوت کو پست کرنے کے درپے ہوا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ عمر بن خطاب کے ایک پناہ گزیں اور انصار کے
 حلیفوں میں سے ایک شخص کے درمیان، پانی کے چشمہ پر مدبھیہ
 ہو گئی، پناہ گزیں نے ہاجرین کی جماعت کو آرازدی اور دوسرے نے انھا
 کے گزروہ کو دہائی دی عبداللہ بن ابی کو اس واقعہ سے بہت غصہ آیا اور کہا
 کیا انھوں نے ایسا کیا ہے، انھوں نے ہمارے شہروں میں نفرت و
 عداوت کی تخم ریزی کر دی، قسم اللہ کی قریش کے ان جلاب پوشوں کو ہم نے
 جگہ دیکر ان کو اس نتیجہ تک پہنچایا، قسم خدا کی اگر ہم مدینہ پہنچینگے تو ہم میں سے ہر
 معزز شخص ان کے ذلیل اشخاص کو نکال دیگا۔

پھر اپنی قوم کے افراد کے پاس آیا اور کہا، یہ تم نے کیا کیا تم نے ان کے
 لئے اپنے شہر میں پناہ دی اور اپنے مال انھیں تقسیم کر دیئے، یاد رکھو جو کچھ بھی
 اب تمہارے ہاتھ میں ہے، وہ تمہارے اختیار پر صرف کر دو، زید بن ارقم
 نے یہ سن لیا اور رسول اللہ صلعم کے پاس جا کر بیان کیا، آپ کے پاس حضرت
 عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے کہا عباد بن بشر کو حکم کیجئے کہ وہ
 اس کو قتل کر دے، آپ نے فرمایا اے عمر کیا یہ بہتر ہوگا کہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع

کئے کہ محمد اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے یہ ہوگا، آپ نے کوچ کا حکم دیا، صبح سویرے
 لوگوں نے کوچ کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے سویرے کوچ نہ کرتے تھے؛
 دن بھر چلے رات آپہنچی پھر رات بھر بھی لوگوں کے ساتھ چلتے رہے، جہاں تک
 صبح ہو گئی، اس دن آفتاب کی شعاعوں سے تکلیف پہنچ رہی تھی، چونکہ دن
 اور رات بھر چلے ہوئے تھے اور بہت تھکے ہوئے تھے جب پڑاؤ ڈالا گیا تو
 تمام پر زمیند کا غلبہ ہو گیا، جب آپ مدینہ پہنچے تو عبدالعزیز بن ابی کے صاحبزادہ
 عبداللہ اپنے باپ کی کارروائی کی خبر سن کر آپ کے پاس آئے اور کہا یا رسول
 مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میرے باپ کی کارروائی سن کر اسے قتل کرنا چاہتے
 ہیں، اگر آپ نے یقیناً ارادہ کر لیا ہے تو مجھے اس کا حکم سمجھنے میں اس کا سر رکھنا
 کر آپ کی خدمت میں حاضر کروں گا قسم بخدا خنزیر کو یہ بات معلوم ہے کہ ان
 میں کوئی شخص اپنے باپ کے ساتھ آنا مہربان نہیں جیسا کہ میں اپنے والد کا
 فرمانبردار ہوں، مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ میرے علاوہ کسی اور کو اس
 کے قتل کا حکم دیں، اور وہ قتل کر دے تو میں اس قاتل کو لوگوں میں چلتے
 ہوئے پاؤں تو قتل کروں گا میں اس وقت کا فرسے بدلہ لوں گا قاتل
 بن جاؤنگا اور دوزخ میں ڈالا جاؤنگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تیرے
 باپ کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتے ہیں، اسے اپنی صحبت میں لے
 دیتے ہیں، اس کے بعد جب کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو عبدالعزیز بن ابی کی قوم
 خود اسے لعنت ملامت کرنے لگتی، اور اس سے بے جا سختی سے پیش آتی
 اس وقت رسول اللہ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا
 اے عمر اب تمہاری کیا رائے ہے، قسم اللہ کی اگر میں اس دن جب کہ تم
 نے کہا تھا قتل کر دیتا تو فتنہ کا اندیشہ تھا، لیکن اگر آج تم اس کو قتل کرنے کیلئے

کہتے تو میں قتل کر دیتا، حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نے جان لیا کہ رسول اللہ صلعم کی بات میرے حکم سے زیادہ وزن رکھتی ہے۔

اس مختصر سے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کس طرح بھرے کام لیا اور ایسے نازک وقت میں کس حکمت عملی کو پیش نظر رکھا، اور فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے اور اپنے لشکر کو اس میں حصہ نہ لینے کی غرض سے رات اور دن چلنے میں کس قدر احتیاط برتی، اس واقعہ میں آپ کا سیاہی حزم و احتیاط، دوراندیشی اور رفیق و طامنت کی پوری تصویر پائی جاتی ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جنگ حنین ختم ہونے کے بعد آپ مال غنیمت کی تقسیم فرما رہے تھے، بنو تمیم میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا اے محمدؐ آج کا دن جو آپ نے کیا میں نے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا ہاں، تو نے کیا دیکھا اس نے کہا آپ نے انصاف نہیں کیا، رسول اللہ صلعم غضبناک ہوئے اور فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر میں نہ انصاف کروں تو اور کون کرے گا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر دوں، آپ نے فرمایا نہیں اسے چھوڑ دو شاید اس کے فائدان میں کوئی ایسی جماعت نکل آئے جو دین میں غور کر کے ایمان لے آئے؛

چنانچہ اس کے بعد تمیم میں تشدد پسند خوارج پیدا ہوئے جب بنی کریم نے قریش کے لوگوں اور عرب کے قبیلوں کو عطایا و انعامات تقسیم کئے اور انصار کو اس سے محروم کر دیا تو انصار میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں یہاں تک کہ بعضوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے اپنی قوم کے ساتھ رعایت کی، جب رسول اللہؐ کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے ان تمام کو جمع کیا اور ایک روح پرور بصیرت افروز اور رقت آئینہ خطبہ دیا، جس میں فرمایا اے انصار کی جماعت مجھے یہ کیا خبر پہنچی

کہ تم نے مجھ پر سبج و افسوس کا اظہار کیا ہے؟ تم گمراہ تھے کیا میری وجہ سے تم کو اللہ
 نے ہدایت نہیں کی؟ تم فقیر و محتاج تھے، تم کو اللہ نے مالدار بنا دیا تم آپس میں ایک
 دوسرے کے دشمن تھے خدا نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی
 انھوں نے یہ سن کر عرض کیا بے شک خدا اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان
 ہے، پھر آپ نے فرمایا اے انصار کی جماعت تم کیوں نہیں جواب دیتے، انھوں
 نے کہا ہم کیا جواب دے سکتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان و کرم
 ہے، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ تصدیق کر سکتے ہو کہ تم کو تمام لوگوں نے جعلا دیا
 تھا، جب ہمارے پاس آئے تو ہم نے تمہاری تصدیق کی، تمہارے کوئی مدد
 کرنے والا نہیں تھا، ہم نے تمہاری نصرت و امداد کی، تمہیں تمہاری قوم
 نے چھوڑ دیا تھا، ہم نے تمہیں جگہ دی، تم فقیر و محتاج تھے، ہم نے تمہاری
 غمخواری اور ہمدردی کی، اے انصار کی جماعت کیا تم نے دنیا میں سے کوئی
 چیز پائی، میں نے ان لوگوں کو تالیف قلب کی غرض سے دیا تاکہ یہ اپنے اسلام
 پر ثابت قدم رہیں، اور مجھے تمہارے اسلام پر پورا بھروسہ تھا اور ہے، کیا
 تم اس بات پر رضامند نہیں ہو کہ اور لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور
 تم اپنے گھروں کو رسول اللہ کو لے جاؤ، قسم اللہ کی جس کے قبضہ میں میری
 جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں شمار ہوتا اگر اور لوگ کوئی دوسرا
 راستہ اختیار کرتے اور انصار دوسرا تو میں انصار کے طریقہ پر چلتا اے اللہ
 انصار پر انصار کے بیٹوں اور انصار کے بیٹوں پر رحم فرما، آپ
 کی اس حقیقت آفریں تقریر سے پوری قوم روئی یہاں تک کہ ان کی دائرہ صیقل
 بھیک گئیں اور سبھوں نے کہا ہم رسول اللہ سے رضامند ہوئے۔
 اس بصیرت افروز، رقت انگیز اور روح پرور تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ

رسول اللہ صلعم مختلف وسائل اور ذرائع سے کس طرح لوگوں کو ایک نصب العین اور ایک مقصد پر جمع کرتے تھے، آپ نے اپنی کشادہ دلی اور اپنے ناخن فہم و تدبیر سے امرِ مجال اور مشکل ترین امور کی عقدہ کشائی فرمائی اور ایک ایسی متناظر اور مختلف قوم کو جمع کر دیا جن کا جمع ہونا بغیر تربیت و تدبیر محمدی کے ناممکن تھا۔

بنو حارث بن کعب کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس سے پہلے خالد بن ولید ان میں بھیجے گئے تھے، آپ نے فرمایا اگر خالد نے مجھے یہ نہ لکھا ہوتا کہ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور جنگ نہیں کی تو میں تمہارے سردوں کو تمہارے قدموں پر چھاور کر دیتا، یزید بن عبدالمدان نے کہا میں نے بچھا ہونے نہ تو آپ کی توصیف کی اور نہ خالد کی مدح، آپ نے فرمایا پھر تم نے کس کی مدح کی، انھوں نے کہا ہم نے اس خدا کی تعریف بیان کی جس نے آپ کو بھیج کر ہمیں ہدایت عطا کی، آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو، پھر آپ نے پوچھا تم جاہلیت میں اپنے فراقِ مخالف پر کس طرح غلبہ پاتے تھے، انھوں نے جواب دیا ہم کسی کو مغلوب نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا بیشک تم اپنے مخالفوں سے غلبہ حاصل کرتے تھے، انھوں نے کہا ہم اس لئے ان پر غلبہ پاتے تھے کیونکہ ہم میں اتفاق تھا، اختلاف نہیں ہوتا تھا اور ہم کسی پر ظلم نہیں ڈھاتے تھے، آپ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو۔

آپ کے اس جواب میں غور کریں ”پھر تم نے کس کی مدح کی“ کہ آپ نے کس انداز سے اور کس ہمدردی اور کشادہ دلی سے سوال کیا یہی ہمدردی اور کشادہ دلی اسلامی سیاست کا اصل الاصول اور اساس ہے۔

رسول اللہ صلعم کی سیاسی کامیابی و فوز و فلاح کا راز نرمی، حسن معاہدہ

لوگوں کی بغض شناسی اور آئندہ امور کی تہ تک پہنچنے میں پوشیدہ تھا، آپ لوگوں
 کی طبیعتوں سے اچھی طرح واقف تھے، اور عربوں کی نیکیوں، برائیوں اور انکی
 محبت و نفرت کی چیزوں کو خوب سمجھتے تھے، آپ اکثر خبروں کے درپے ہوتے
 اور ایسی باتوں کو پوشیدہ رکھتے جو ناپسند ہوں مثلاً آپ نے سحیل بن عمرو
 کو جب کہ وہ قید ہو کر آیا تھا اپنی فراست سے پہچان لیا، چنانچہ اس کا نتیجہ
 سات سال بعد جب کہ مکہ والوں نے رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد مرتد
 ہونے کا ارادہ کر لیا تھا ظاہر ہوا، قریش نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ دیکر رہائی
 دلانی چاہی تو حضرت عمر بن خطاب نے آپ سے اس کے متعلق بحث کی
 اور فدیہ لینے پر مشورہ نہ دیا، چنانچہ آپ سے اجازت چاہی کہ سحیل بن عمرو
 کے دونوں دانت نکال لئے جائیں تاکہ رسول اللہ صلعم کے خلاف کوئی
 خطبہ کسی جگہ بھی نہ دے سکے لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر میں
 اس کا مشلی کروں تو خدا بھی میرا اگرچہ میں بنی ہوں مشلی کرے گا، مجھے
 امید ہے کہ اس سے کوئی بڑا کام دستیاب ہو سکیگا، چنانچہ جب فتنہ ارتداد
 برپا ہوا اور اکثر مکہ والوں نے اسلام سے منحرف ہونے کا ارادہ کر لیا، جن سے
 عقاب بن اسید جو بنی کریم صلعم کی جانب سے مکہ کے گورنر مقرر تھے خوف
 کھائے ردپوش ہو گئے تو سحیل بن عمرو لوگوں میں کھڑا ہوا، اللہ کی حمد و
 تعریف بیان کی پھر رسول اللہ صلعم کی وفات کو بیان کیا اور کہا اس سے
 اسلام کو اور زیادہ تقویت پہنچی، جس شخص کے متعلق ہمیں شک ہو تو
 ہم اس کی گردن مار دیں گے، لوگوں نے جب اس کا خطبہ سنا تو پھر اسلام کی
 طرف رجوع کیا اور ارتداد کے ارادہ سے باز رہے اور عقاب بن اسید بھی
 باہر نکل آئے غرض کہ جملہ امور پھر اپنی اصلی حالت پر قائم رہے۔

یہی وہ خدمت ہے جس کو خیال کرتے ہوئے آنحضرتؐ نے عربین کو
 کو جواب دیا تھا، رسول اللہ صلعم کی یہ وہ فراست و دانائی ہے جو سات سال
 کے بعد ظاہر ہوئی۔

آپ نے جب ہوازن کی غنیمت کے مال میں سے پانچواں حصہ لیا،
 تو اس کو اپنے پرانے دشمنوں پر تقسیم کر دیا، چنانچہ ابوسفیان، معاویہ، صفوان
 بن ایسہ، سمیل بن عمرو، حویلیب بن عبدالعزیٰ، عمارت بن ہشام، اور ان
 کے علاوہ بہت سے لوگوں کو تالیفِ قلوب کی حیثیت سے دیا، اور ان کی
 حاجتیں پوری کیں، ابن مرداس وغیرہ شعرا پر اتنا خرچ کیا کہ وہ راضی ہو گئے
 غرض کہ بخشش و کرم اور جو دوسخاوت، رسول اللہ صلعم کی سیاست کا اصل
 عنصر بن گیا تھا۔

ایک جماعت آپ کے پاس آئی، اور کہا کہ ہم نے مسافروں اور حاجت
 مندوں اور جاڑے اور بارش کی راتوں سے بچنے کے لئے ایک
 مسجد بنائی ہے، ہماری دلی تمنا ہے کہ آپ اس میں آکر نماز پڑھائیں آپ
 نے غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد یہاں آنے کا وعدہ فرمایا، جب آپ
 واپس ہوئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ اس میں آپ کے ساتھ فتنہ اور برائی کا
 ارادہ کر لیا گیا تھا، آپ نے اس کو جلانے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ جلائی
 گئی، اس میں جو لوگ تھے وہ بھاگ نکلے، یہی وہ مسجد ضرار ہے جس کا قرآن مجید
 میں ذکر آیا ہے۔

والذین اتخذوا مسجداً
 بعض ایسے ہیں جنہوں نے ان اعراض
 ضاراً و کفراً و تفریفاً
 کے لئے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں
 اور کفر کی باتیں کریں اور ایمان داروں

بین المومنینہ میں تفریق ڈالیں۔

اسی طرح آپ کو یہ خبر پہنچی کہ بعض منافقین سوہلم یہودی کے گھر میں جمع ہو کر لوگوں کو رسول اللہ صلعم سے اور غزوہ روم کو آپ کے ساتھ جانے سے روک رہے ہیں، تو آپ نے طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ سوہلم کا گھر طلبا دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس گھر میں جس قدر لوگ تھے منتشر ہو گئے!

ان دونوں مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد صلعم نے اپنی فراخ دلی اور دوراندیشی کا کیا ثبوت پیش کیا کہ آپ نے فتنہ کے انسداد کے لئے مسجد اور گھر کو جلانے کا حکم کیا کیونکہ محمد صلعم سلطنت و دولت کے نبض شناس تھے آپ ہر طریقہ سے نرمی و شفقت سے موقعہ کے مناسب علاج کرتے تھے، اور عجب و تعلیٰ کو ناپسند سمجھتے تھے، آپ کی پوری زندگی میں اس کا شاہدہ تک بھی نہ پایا گیا، لیکن اس عجب و تعلیٰ کے لئے قصداً آپ نے اس وقت حکم صادر کیا جبکہ آپ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ میں داخل ہوئے اور قریش نے آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دی تھیں کہ محمدؐ اور آپ کے اصحاب تنگ دستی اور افلاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کمزور ہو چکے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے ایک مقام پر آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنے کے لئے سف بانڈھی جب رسول اللہ صلعم مسجد میں داخل ہوئے تو اپنی چادر کو ایک بازو سے دوسرے بازو پر لپیٹا اور واہنے بازو کو زیادہ نمایاں کیا اور فرمایا، خدا اس بندہ پر رحم فرمائے جو آج کا دن اپنی قوت اور شان کا مظاہرہ لوگوں کے سامنے کرے، پھر آپ نے رکن کا بوسہ لیا اور دوڑتے ہوئے چلے، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی دوڑے، ان سے کعبۃ اللہ چھپ گیا، آپ نے

رکن ایمانی کا بوسہ لیا پھر رکنِ اسود کا پھر اس کے تین طواف آہستہ آہستہ
 دوڑتے ہوئے کئے یہ تمام آپ نے اس لئے کیا کیونکہ آپ کو خبر پہنچی تھی کہ
 قریش آپ کی اور آپ کے اصحاب کی کمزوری کو آپس میں بیان کرتے تھے۔
 جب لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور بنو قریظہ نے اپنے عہد کو توڑ دیا
 اس کی خبر نبی کریم صلعم اور آپ کے اصحاب کو پہنچی تو آپ نے اس کی تحقیق
 کرنے کے لئے سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور ان کے ساتھیوں کو روانہ کیا
 اور فرمایا کہ ان کی جو خبر ہمارے پاس پہنچی ہے، اگر وہ سچ ہے تو تم مجھے پوشیدہ
 طور پر اس کی اطلاع کرو اور اس کو لوگوں میں نہ پھیلاؤ اگر انہوں نے کسی
 کی بد عہدی نہیں کی بلکہ ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس
 کو برقرار رکھا ہے تو تم اس کا لوگوں میں اظہار و اعلان کرو، جب یہ لوگ
 واپس لوٹے تو آپ پر سلام آیا اور اطلاع دی کہ بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا
 بے رسول اللہ صلعم نے فرمایا اللہ اکبر! اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ۔
 ان دو قسٹوں سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دشمن کے دل میں
 اپنی قوت کے ذریعہ رعب و خوف طاری کرنے اور انصار کی باطنی قوت کو محفوظ
 رکھنے اور دشمن کی شان کو کم نہ کرنے کے لئے کس حکمتِ عملی سے کام لیا۔
 رسول اللہ صلعم خبروں کو معلوم کرنے اور پھر انہیں دراز میں ممتاز تھے
 جب آپ کے مد نظر فوجی نقل و حرکت کو پوشیدہ رکھنا ہوتا تو قایدِ حبش کو خط لکھتے
 کہ فلان مقام پر پہنچنے تک اور تھر رہو وقت آنے سے پیشتر اپنا ارادہ جاری نہ کرے۔
 آپ مستقل رائے اور عزم بالہجرم رکھتے تھے، آپ میں کبر و عجب کا شائبہ
 تک نہ تھا، انتہائی حکمت و تدبیر سے نرمی کے ساتھ سیاست رانی کی اور اپنے
 نفس اور عقیدہ کی مدافعت کے لئے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے، صبر اور نرمی

میں اپنی سیاسی نشانیاں اور جنگ و جہاد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے
واقعات و حادثات کے وقت لوگوں سے آپ کی کشادہ دلی طاہر تھی، اپنی شخصیت
اور اپنے عمل و قول کے ذریعہ تمام لوگوں میں وہ اثر پیدا کیا جس کے ذریعہ بعد میں
انہوں نے روسے زمین کو فتح کیا اور ممالک پر حکمرانی کی۔

اسلامی تبلیغ کے اثرات

میں نے تبلیغ اسلامی کے اثر کو بیان کرتے وقت اپنے دل میں ارادہ کیا کہ اس موضوع پر کوئی جامع مقالہ قلمبند کروں، لیکن جب میں اس پر قلم اٹھایا تو دیکھا کہ اس موضوع کے لئے کئی جلدوں اور بے پایاں دفتروں کی ضرورت ہے، اس لئے مجھے اس بیان کو ایک دائرہ میں محصور کرنا پڑا اب میں یہاں پر دعوت محمدی کے نقوش دوام، اور زندہ رہنے والے اثرات کو جو زمان و مکان کی حدود سے بیرون ہیں، بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں اور ان میں سے ان واقعات اور اثرات کو انتخاب کروں گا، جو واضح اور نمایاں ہیں، اور عقاید و مذاہب کے اختلاف کے باوجود لوگوں کی نظروں میں تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں، شاید کہ میں تمہارے سامنے دوبارہ بطلِ اعظم صلعم

کی صفات جلیلہ اور عظیم اشان اخلاق کا مختصر سا خاکہ کھینچ سکوں،
 سب سے پہلے میں تمہاری توجہ اور عنانِ فکر جس چیز کی طرف پھیرنا
 چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس تبلیغ کا اجتماعی حیثیت سے کیا اثر ہوا، وہ تبلیغ
 جو ایک خاندان اور گروہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی تھی، کس طرح چند ہی
 سال کے اندر یعنی بیس سال کی قلیل مدت میں مشرق و مغرب میں پھیل
 جاتی ہے۔

اس دعوت کا فوری اثر یہ ہوا کہ اس نے ایک قوم کے اندر حیرت
 انگیز انقلاب برپا کر دیا اور اس کو بالکل ایک دوسری شکل و صورت میں بدل دیا
 یہ قوم جس میں دعوت کی نشوونما ہوئی وہی امتِ عربیہ ہے؛
 عربوں کی قوم تنگ دست تھی، زمین کے پست حصہ میں سکونت، گزیر
 تھی، روم و فارس کی متمدن و مہذب اور شائستہ قوموں کی نظروں میں ذلت
 و حقارت سے دیکھی جاتی تھی اس کے لئے کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، عرب
 کے لوگ جاہلیت میں مختلف قبائل میں منقسم تھے، ان میں جنگ بپا تھی،
 سرداری کے لئے باہم سرکہ آرائی ہوتی، آپس میں مہمولى بنی بات پر جھگڑا
 بیٹھتے تھے، ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ پر غلبہ حاصل کرنے کی فکر میں لگا رہتا، اور
 اپنے حسب و نسب کے ساتھ فخر و مباہات کیا کرتا تھا، ان کا فخر و ناز تمام تر
 لوٹ مار قتل و غارت اور ظلم و فساد پر ہوتا، ظلم و ستم ان کی زندگی کا بیش بہا
 سرمایہ اور لازمہ ہو گیا تھا۔

عربن کلثوم کہتا ہے۔

ہم سرکش باغی اور ظالم ہیں، مظلوم نہیں ہیں لیکن ہم نے ظلم سے

ابتداء کی ہے۔

زہیر کہتا ہے۔

جو شخص اپنے حوض کی اپنے ہتھیار سے حفاظت نہ کرے گا تو وہ
ڈبا دیا جائے گا، اور جو شخص لوگوں پر ظلم نہیں کرتا ہے، اس پر ظلم کیا جائے گا۔
اسلامی شاعر قسطامی، اسلامی قتال میں جاہلیت کی صفت کی تعریف
بیان کرتا ہے۔

”جس شخص نے شکر جمع کیا تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے پاس
بھی سخت اور ٹھوس نیزے اور بہترین گھوڑے ہیں، اور ہم جب کسی پر لوٹ
مار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو خباب اور ضبہ اور کبھی ہمارے بھائی بکر پر ہی جب
ان کے سوا کوئی نہ ملے، لوٹ مار کرتے ہیں۔“

یہ اشعار جاہلیت کے عربی قبائل کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں، اور بتا رہے ہیں
کہ اس تبلیغ کے اثر نے ایک ایسی قوم کو جو اپنے بھائیوں اور ہمسایہ پر لوٹ مار
کرنے کو باعث فخر و ناز گردانتی تھی، ایشیا و افریقہ میں سیاہ و سفید کے درمیان
عدل و انصاف قائم کرنے والی، قانون و اس اور مبلغ اسلام بنا دیا۔ اسی وحشی
اور بددی قوم کے افراد ایک ہی صدی کے اندر تہذیب و تمدن کے علمبردار
اور نظام عالم کے مالک ہو جاتے ہیں۔

جاہلیت میں ہر شخص اپنے قبیلہ کا پابند تھا، اور دوسرے قبیلہ پر عرصہ
حیات تنگ کر چکا تھا، قبیلوں کے درمیان اتحاد و اتفاق اور باہم نصر و تعاون
منفوق اور بھلائی کا نام ناپید تھا بلکہ یہ لوگ ان کو سمجھنے سے بھی قاصر تھے،
جس طرح یہ انسانیت سے نا آشنا تھے۔ اسی طرح امت عربیہ کے وجود کا انکار
کرتے تھے، محض دشمنی و بغض و عناد کو زندگی کا واحد مقصد اور ذریعہ جانتے
تھے، ہر قبیلہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی حفاظت و حمایت اور سرداریوں پر غلبہ حاصل

کرنے کی فکر میں لگا رہتا، اس وقت دعوت محمدی نے ان کی تمام برائیوں کو دور کر دیا، اور عبصیت اور قبیلہ کے فتنہ و شرک انسداد کر دیا، اور تمام قبائل اور خاندانوں کو ایک ہی امت بنا دیا۔ انسانی حقوق کو قائم کیا، لوٹ مار، قتل و خونریزی کے بجائے باہم نصر و اعانت، اتحاد و اتفاق، اور پاک عقیدہ پیدا کر دیا عربوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور انسانیت اور اخلاق و صفات سے متصف ہو گئے، اسلامی شریعت تمام پر فائق ہو گئی اس نے قصاص کو برقرار رکھا، ظلم و ستم کی بیخ کنی کر دی، اور عدل و انصاف کو عام کر دیا، ہر فرد، ہر سوسائٹی اور ہر قبیلہ کو اپنا اپنا ذمہ دار ٹھہرایا۔

ولا تزدوا ذرۃ و نذرا
 اخوی، کل نفس بما کسبت
 وھینۃ و ان لیس للانسان
 الا ما سعی

ایک کا بوجھ دوسرے پر ڈالا
 نہیں جاتا، ہر نفس اپنی کمائی کا
 آپ مرہون ہے، اور یہ کہ انسان
 کو اس کی کوشش کے موافق ہی
 صلہ ملے گا۔

عزت و غلبہ شریعت اور اس کے چلانے والے کے لئے خاص کر دیا
 اور جاہلیت کے تمام دعوے باطل کر دیئے گئے، غرض کہ قانون عدل و
 انصاف اور تبلیغ کا بول بالا ہو گیا۔

ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار قرار دیا گیا، کسی حیثیت سے اس کو
 جاہلیت کا دعویٰ کام نہیں دے سکتا، اور وہ میدان عمل میں اپنے حسب نسب
 اور جاہ و مال کو پیش نہیں کر سکتا۔

فمن یعمل مثقال
 پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا

ذرة خیر ایرا و من یعمل

مثقال ذرة شریرا

انها ان تک مثقال حبة

من خردل فتکن فی صحرة

او فی السموات او فی الارض

یات بها اللہ

وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جو شخص

ذره برابر بندی کرے گا وہ اس کو

دیکھ لے گا۔ بے شک اگر وہ رانی

کا دانہ برابر بھی ہو، اور وہ چٹان

میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں اللہ تعالیٰ

اس کو حاضر کر دے گا۔

دعوتِ محمدی سے تمام لوگوں میں مساوات قائم ہوگئی، آقا و غلام

شریف و کتر کا کوئی امتیاز باقی نہ رہا، عمل سے ہر ایک کو فضیلت ہے، خدا

سے ڈرنے والا عزت مند ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد

اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے

اور تمہارے خاندان اور قبیلے

کر دیئے ہیں، تاکہ تم ایک دوسرے

کو پہچانو، بے شک اللہ کے

نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ

وہ ہے جو پرہیزگار ہے!

یا اے اللہ! لنا سائنا

خلقنا کم من ذکر و انثی

وجعلنا کم شعوباً و قبائل

لتعارفوا ان اکرمکم

عند اللہ اتقا کم

محمد صلعم حجۃ الوداع کے خطبہ میں عربوں کی اس مساوات کو تمام دنیا

ہر کے انسانوں کے لئے قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں، 'اے لوگو! تم تمام آدم کی اولاد ہو، اور آدم ہی سے پیدا کئے گئے ہو، کسی عربی کو غمھی پر سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے فضیلت منوقت نہیں۔'

یہی وہ اصل الاصول تھا جو عربوں کی فتوحات میں دستور اساسی کا علم رکھتا تھا، اس جنسیت اور قومیت کے عدم امتیاز نے اسلامی فتوحات کے دائرہ کو وسیع کر دیا اور اس کے ہمیشہ باقی رہنے والے اثرات مشرق و مغرب میں پائے جاتے ہیں۔

دعوت محمدی نے راہ حق اور بھلائیوں میں سبقت کرنے اور باہم غلاب آنے اور اعمال صالح میں ایک دوسرے پر بڑھنے کے لئے اجازت دی اور تشویق و ترغیب دلائی، اور اس کے علاوہ ناجائز غلبہ و مسابقت کو حرام قرار دیا۔

بھلائیوں میں تم ایک دوسرے پر سبقت کرتے رہو، تم تمام کا ٹھکانا اللہ مرجعکم جمیعاً فیئکم
انہی کی طرف ہے، پس وہ تم کو خبر کر دے گا، کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

شریعتِ اسلامیہ نے قبیلہ کی جگہ قوم، ظلم کی جگہ انصاف، بے جا فضل و تعلق کی جگہ مساوات، اور حب و نسب پر فخر کرنے کی جگہ عمل صالح کو اصل الاصول قرار دیا، عربوں سے بغض و عناد اور نفرت کے خیالات کو دور کر کے، ان کے دلوں میں محبت و ہمدردی، اور اتحاد کے جذبات کو بھر دیا، اور علی الاعلان کہ دیا:

قتلوا اول ما حرم اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ آدمی تم کو

ربکم علیکم۔ الی قولہ

علکم تتقون۔

پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے
پروردگار نے کیا چیز حرام کی ہے
اللہ تعالیٰ کے اس قول، شاید کہ

تم پر ہینرگا ہو جاؤ، تک

عرب میں بت پرستی کا دور دورہ تھا، ان کے مختلف اور بیشمار خدا پاک
جاتے تھے، ان سے کبھی اپنی مرادیں مانگتے اور کبھی ان سے نفرت کرنے لگتے

اور بھلائی طلب کرتے، اگر وہ اپنے مقاصد اور اپنی مرادوں میں کامیاب

نہ ہوتے تو ان کو گالیاں دیتے اور پرا بھلا کہتے جیسا کہ آج کل بھی بعض جہشی قبائل

کیا کرتے ہیں، کہ وہ اپنے فرضی معبودوں سے بارش مانگتے ہیں، اگر وہ نا امید

ہو گئے تو اپنے معبود کو قتل کر دیتے ہیں۔

عربوں کو اپنی زندگی میں عمل کرنے کے لئے کوئی واضح راستہ نہیں تھا

تو دعوت محمدی نے ان کو ایک خدا پر ایمان لانے کی تلقین کی، اور طالع حرام کو

سمجھا دیا۔

لوگوں کے معاملہ میں ہر چیز میں توحید کو پیش کیا، اور سکھایا کہ اللہ ایک

ہے تمام انسانوں کی اصل ایک ہے، لوگ آپس میں برابر ہیں، اور تمام قومیں

برابر اپنا حق رکھتی ہیں، جن رسولوں نے اویان پیش کئے وہ سب ایک ہیں،

ان کے حقائق، مقاصد اور اغراض ایک ہیں۔

تمہارے لئے وہ دین جاری کیا گیا

ہے، جس کی وصیت نوح کو کی گئی

تھی اور جس کی وحی ہم نے تیری

طرف کی ہے۔

شرع لکم من الدین

ما وصی بہ نوحاً والذی

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ آيَاتٍ

اور ایک ہی نصب العین بتایا جس سے وہ اپنے اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کر سکے، تبلیغِ محمدی نے اس متحد قوم کے اندر وہ روح پھونکی کہ اس کے سامنے دنیوی شان و شوکت، لشکر کی کثرت، فوجی قوت، موروثہ باطل عقائد، بادشاہوں کا دبدبہ اور روسا کا طنطنہ و طمطراق غرض کہ کوئی چیز حائل نہ ہو سکی، اور ان کی نظروں میں نہ مچی، اور نہ ان کے مقاصد کو روک سکی۔

میرے نزدیک یہی توحید محمد صلعم کی تبلیغ کا بہت بڑا اور روشن معجزہ ہے، اگر وجہ اعجاز کو معلوم کرنا چاہیں تو جزیرہ عرب کی موجودہ حالت کو دیکھنا چاہیے کہ جس میں صدیوں تک اسلام رہا، آج پھر وہ جہالت و ضلالت کا مرکز بنا ہوا ہے، جاہلیت کی تمام عادتیں پھر عود کر آئیں، اور پھر اگر وہ شخص دوبارہ اس قوم میں وہی اسلامی روح پھونکنا چاہے، اور اس کی اصلاح کا ارادہ کرے تو اس کو کس قدر مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا کیا اکثر و بیشتر مصلحین ایسی اصلاح کر سکتے ہیں جیسا کہ دعوتِ محمدی نے قلیل مدت میں حیرت انگیز انقلاب برپا کیا تھا، جب موجودہ حالات سے دعوتِ اسلام کے ظہور کے وقت کی حالت کا موازنہ کر کے دیکھا جائے تو محمد صلعم کی تبلیغ و اشاعت کا اثر، اس کی قوت، امتِ عربیہ کی شان و شوکت، اور قدر و قیمت کا تمام عالم پر اندازہ ہو سکتا ہے

محمد صلعم نے اپنی دعوت کے ساتھ ساتھ نہ صرف امتِ عربیہ میں بلکہ تمام قوموں میں آزادی کی روح پھونکی، اور اس کے سامنے تمام

انتخابات اور جملہ قومی پیمائشیں، اس تبلیغ نے انسانوں کو باطل اور باہم اور
 فاسد عقاید سے نکال کر حزیتِ سرمدی بخشنی، اور عبودیتِ الہی کو خالص
 کر دیا۔

تمام شعبہ نشا ہست اور عبودیت کا حق محض اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے

اللہ کی ذات ایسی ہے، کہ وہ اور
 اس کے فرشتے تم پر رحمت
 بھیجتے رہتے ہیں، تاکہ حق تعالیٰ
 تم کو تارکیوں سے نور کی طرف
 لے آئے اور اللہ تعالیٰ مومنین
 پر بہت مہربان ہے اور جس اور
 اللہ سے نہیں گئے تو ان کو جو سلام
 ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم اور
 اللہ نے ان کے لئے عمدہ صلہ
 تیار کر رکھا ہے۔

هو الذي يصلي عليكم

وملائكته ليخرجكم من

الظلمات الى النور وكان

بالمومنين رحيماً تحيتهم

يوم يلقون سلاماً و

اعداءهم اجراً كريماً

یہی وہ ہستی خدا ہے !

اور وہ سلامتی کے گھر کی طرف

بلا رہا ہے اور جس کو چاہتا ہے یہی

راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

اللہ ساقی ہے ان لوگوں کا جو ایمان

لائے ان کو تارکیوں سے نکال کر

اور جو لوگ

ويدعوا الى دار السلام

ويهدى من يشاء الى صراط مستقيم

الله ولي الذين آمنوا

يخرجهم من الظلمات الى النور

کافر ہیں ان کے ساتھ شیاطین ہیں

وہ ان کو نور سے نکال کر تاریکیوں

کی طرف لے جاتے ہیں۔

والذین کفروا اولیاءہم

انطاغوت ینخرجونہم

من النور الی الظلمات۔

ان آیات مقدسہ اور معنی خیز عبارات کے ذریعہ خالق کی عبادت کو خاص

کر دیا اور صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کر دی۔

لوگ اسلام سے پیشتر بادشاہوں اور رئیسوں کے غلام تھے، خرافات

اور فاسد اوہام کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے؛

صاحبِ دولت و ثروت کے ہاتھوں بے کس و مجبور تھے، اس دعوت

محمدیہ کے ذریعہ انھوں نے بدنی، دینی، مالی اور روحانی غرض کہ ہر قسم کی آزادی

حاصل کر لی۔

اس تبلیغ کے لوگوں کو بتلایا کہ نفع نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے خدا اور

بندہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، اور خدا کے تعالیٰ، انسان کی شدہ رگ

سے بھی قریب ہے، اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، اپنے دل پر سوائے خدا کے اور

کوئی حکمران نہیں ہے، حتیٰ کے اللہ کے رسول کو سوائے تبلیغ و تعلیم کے اپنی

جان پر قابو نہیں ہے؛

آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس

میں نصیحت کرنے والے ہیں، آپ

ان پر سلسلہ نہیں ہیں، اگر وہ روگردانی

کریں، تو ہم نے تو آپ کو ان کا نگراں بنا دیا

فذکر انما انت مذکر علیہم

بمیسطی فان اعرضوا فما ارسلنا

علیہم وحفیظا

بنا کر نہیں بھیجا۔

اس کے ذریعہ انسان نے اپنی قدر و وقعت کو دوبارہ حاصل کر لیا اور اپنی عقلی، قلبی، فکری اور عملی آزادی پالی، اور دعوت محمدیہ کا اثر ہمیشہ تک کے لئے باقی رہا۔

آپ کی سیاست کا وصف جو آپ نے فرمایا، حضرت علیؓ کی اس روایت سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے، معرفت میرا اس مال ہے، عقل میرا سرمایہ ہے، محنت میرا اساس ہے، شوق میری سواری ہے، یاد خدا میری اینس ہے، بھروسہ میرا خزانہ، غم میرا رفیق، علم میرا ہتھیار، صبر میری چادر، رضا و تسلیم میری غنیمت، فقیری میرا فخر، زہد میرا پیشہ، یقین میری قوت، صدق میرا شفیق، طاعت میرا خیال، جہاد میرا اخلاق، اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

عمر بن خطاب

میں نے گزشتہ باب میں بیان کیا ہے کہ توحید اور حریت کی حیثیت سے تبلیغ اسلامی کا کیا اثر ہوا، اب میں تمہارے سامنے حضرت عمرؓ فاروق کی مثال پیش کروں گا کہ اس دعوت کا اثر افراد اور اجتماع پر کیا ہوا۔

حضرت عمرؓ اپنی جاہلیت کے زمانہ میں، قریش کے ایک نوجوان تھے، بڑی سرکش اور تند خو لوگوں کی مجلسوں میں زلمگی بسر کیا کرتے تھے اس زمانہ میں مکہ بہ نسبت جزیرہ عرب کے اور ملکوں کے ہو و لعب اور شرارت پسند اشخاص کو اپنی طرف کھینچنے میں ممتاز و مشہور تھا، حضرت عمرؓ بھی ان

لوگوں سے علیحدہ نہیں تھے، بلکہ یہ بے مروتی، قوت و طاقت، سختی اور تند خوئی میں مشہور تھے، اپنے مخالف کو ہر طرح سے اذیتیں پہنچانے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے تھے، اسی لئے دعوت اسلامیہ کی راہ میں، اور اس کو ماننے والوں کے حق میں، مکہ کے اور نوجوانوں اور اوباشوں سے زیادہ خوفناک اور خطرناک تھے، کوئی شخص ان کی شمشیر زبان، اور ان کے قبضہ حاکمانہ سے نہیں بچ سکتا تھا، ایک مرتبہ لیلیٰ بنت ابو عنتمہ نے غیر معمولی طور پر ان کے اندر نرمی دیکھی تو اس نے ایک دوسرے مسلمان سے ذکر کیا، اس شخص نے کہا، کیا تو ان کے اسلام لانے کی تمنا کرتی ہے، جب تک خطاب کا گدھا اسلام قبول نہ کرے وہ اسلام نہیں لاسکتے، اس طرح مسلمانوں کو ان کے اسلام میں داخل ہونے کا وہم و گمان بھی نہ تھا، لیکن دعوت نے ان کو اپنے اندر جذب کر لیا، جب ان کو ہر طرح صیقل کیا اور شائستہ بنا دیا تو یہی عمر امیر المومنین کے لقب سے موسوم ہوئے روم و ایران کی سلطنت کو الٹ دیا، نرمی و رحمدلی عدل و انصاف میں بے نظیر ہستی کہلائے، یہی تبلیغ کے اثر نے ان کو عدالت پسند بہت بڑے سیاست دان اور تاریخ عالم میں ایک بلند پایہ فاتح، اور الوالعزم خلیفہ بنا دیا۔

دعوت محمدیہ کا اثر افراد کے نفوس میں اس طرح تسریت کر گیا کہ وہ رفتہ رفتہ جماعت اور سوسائٹی کے اذہان و قلوب پر چھا گیا، اور اس دعوت نے دنیا کے انسانوں، اور ملکے زمین کے باشندوں کے اندر حیرت انگیز غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا۔

افراد کے دلوں سے باطل اور فاسد عقائد و اہام کا نور ہو گئے،

اور اس کی جگہ صحیح اور سچے عقائد و خیالات نے ان کے دل و دماغ کی اصلاح کی، اخلاقِ حسنہ، صفاتِ فاضلہ، اور خصائلِ پسندیدہ نے ان کے نفوس سے ہر قسم کی گندگی و آلائش کو دور کر دیا، اور اسوۂ حسنہ، اور صفاتِ جلیلہ جو حضور اکرم میں پائے جاتے تھے، ان کے اذہان میں نفوذ کر گئے۔

یقیناً تمہارا سے لئے رسول اللہ میں
 بہترین نمونہ موجود ہے۔

لقد کان لکم فی

رسول اللہ اسوۂ حسنۃ۔

دعوتِ محمدیہ نے، اصحابِ محمد کے دلوں میں عدل و انصاف نیکی و راستی اور محبت و الفت کے جذبات و احساسات بھر دیئے، جہاں حق و صداقت کے نکلے پر چھری پھیری جاتی تھی، اور جہاں قوت و طاقت پر ہر چیز کا مدار تھا، اور جہاں پر رحم و انصاف کا گلا گھونٹا جاتا تھا، وہاں حق و راستی کے خیالات و جذبات ان کے نفوس میں پیدا کر دیئے، حضرت عمرؓ کی مثال اس کا آئینہ ہے، کہ آپ امیر المومنین ہونے کے زمانہ میں لوگوں میں خطبہ دے رہے ہیں ایک عورت آپ پر اعتراض کرتی ہے آپ رک جاتے ہیں، اور فرماتے ہیں، عورت نے سچ کہا اور عمرؓ نے غلطی کی،

یہی عمرؓ ہیں کہ جنہوں نے جاہلیت میں اپنی بہن کا سر زخمی کیا تھا،

اب امیر المومنین ہونے کے بعد تکلیف اور مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر روتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں آپ کو اس حال میں موت نہ آجائے کہ لوگوں میں کچھ تکلیف ہانی رہے۔

دعوت و تبلیغ کے یہ وہ آثار و اثرات ہیں جنہوں نے اونٹوں اور

بکریوں کے چرانے والوں، مکہ کے حقیر ماجروں، اور مدینہ کے زراعت پیشہ

لوگوں کو بلند پایہ انسان بنا دیا کہ ان میں سے ہر شخص ایک قائد ایک لیڈر اور لوگوں کا امیر ہونے کی صلاحیت و استعداد اپنے اندر رکھتا ہے، ان ہی تاثرات نے انھیں عادل و انصاف پسند انسان بنا دیا جس طرح قرآن مجید نے خود ان کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:-

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو بلا شبہ اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

یا ایہا الذین امنوا
کو نوا قوامین لله شاکداً
بالقسط ولا یجر منکم
شنان قوم علی الا
تعد لوا، اعد لوا هو
اقرب للتقوی و اتقوا
الله ان الله خیر بما
تعملون

ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دی ہے، جو نہایت اعتدال پر ہے، تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو۔

و کذا لک جعلنا کد
امۃ وسطاً لتکو نوا
شاکداً علی الناس

عربوں کی فتح و کامرانی اور تبلیغ اسلامی کی نشر و اشاعت کا راز

محض لوگوں کے عقائد و خیالات، اور ان کے نفوس میں تغیر و انقلاب برپا کرنے میں مضر تھا، اگر آنحضرت صلعم کی یونیورسٹی کے تاثرات و تعلیمات سے لوگ فارغ ہو کر نہ نکلتے، قیادت و ہدایت کی تعلیم نہ پاتے، تو اسلامی فتوحات جزیرہ عرب سے تجاوز نہ کرتیں، اور ان کے آثار آنحضرت م کی وفات اور فقہ ارتداد کی وجہ سے مٹ گئے ہوتے، لیکن نوجوانانِ اسلام جن کے دلوں کو دعوتِ محمدی نے جلا اور روشنی بخشی تھی جو آپ کے فیض سے مستفیض ہوئے تھے، آپ کی وفات کے بعد تیس سال تک برابر اپنے اسلامی فیوض کے چشمے بہاتے رہے، خلفاء راشدین میں ابو بکر، عمر، عثمان، رضا اور علیؓ اس کی بہترین مثال ہیں۔

فرزندانِ اسلام کے تاثرات و احساسات کو جو دعوتِ محمدی نے ان کے نفوس کے اندر پیدا کئے تھے ظاہر اور روشن کرنے کے لئے، جنھوں نے اپنے آباء و اجداد، خاندان اور رشتہ داروں سے اپنے عقائد کے سلسلہ میں مخالفت کی اور حبشہ ہجرت کی، اور ان کی بے باکیوں کو نمایاں کرنے کے لئے ہم جعفر بن ابوطالب کی وہ ولولہ انگیز اور حقیق آفریں تقریر پیش کرتے ہیں، جو انھوں نے بخاشی کے روبرو کی جس سے اندازہ ہو سیکے گا کہ اسلامی دعوت نے حلقہ بگوشانِ اسلام کے دلوں میں کیا اثر پیدا کیا تھا، جس کو اس زمانہ میں نفسِ دعوت کے اعتبار سے ہاجرین و انصار نے سمجھا تھا۔

یہ تمام مذکورہ بالا اشخاص، جن میں مرد اور عورتیں بھی تھیں، جو قریش کے مختلف قبیلوں، دشمنانِ اسلام کے رشتہ داروں اور مکہ کے بڑے بڑے اشخاص کے خاندان سے تعلق رکھنے والے

میں سے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ہجرت کر گئے، مکہ والوں نے ان کے پیچھے اپنے لیڈر عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو نجاشی اور درباریوں کے لئے ہدایا، اور تحائف دے کر روانہ کیا، اور یہ وصیت کی کہ پہلے ان تحفوں کو ہر درباری کے سامنے پیش کریں، پھر نجاشی کی خدمت میں پیش کر کے ان لوگوں کو سپرد کرنے کے لئے درخواست کریں، چنانچہ انھوں نے اہل مکہ کی ہدایات کے مطابق درباریوں کو ہدایا پیش کئے، اور ہر ایک سے کہا کہ بادشاہ کے ملک میں چند نادان لوگ اپنی قوم کے دین سے منحرف ہو کر چلے آئے ہیں، تمہارا دین میں بھی وہ داخل نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے ایک نیا دین جس کو ہم اور تم نہیں جانتے ہیں اختیار کر لیا ہے، اس لئے ان کی قوم کے اشراف ان کے خاندان، رشتہ داروں، ان کے چچاؤں، اور مائوں نے ہمیں بھیجا ہے، تاکہ ان کو واپس لے آئیں، جب ہم بادشاہ سے اس معاملہ میں گفتگو کریں تو تم مشورہ دیں کہ وہ ان کو ہمارے سپرد کر دے، اور ان سے کسی قسم کی گفتگو نہ کرے، کیونکہ ان کی قوم ان سے افضل ہے اور ان کی عیب جوئی سے واقف ہے، ان درباریوں نے اس کو قبول کر لیا پھر ان دونوں نے نجاشی کی خدمت میں جا کر تحفے تحائف پیش کئے اور جو درباریوں سے کہا تھا، اس سے بھی وہی عرض کیا، درباریوں نے ان کو ان کے سپرد کر دینے کے متعلق مشورہ دیا، لیکن نجاشی نے انکار کر دیا، جب تک ہاجرین کے مقصد کو نہ سن لے اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا انھیں مدعو کیا اور پوچھا کہ تم نے اپنی قوم کے دین سے کیوں علیحدگی اختیار کی، اور کس لئے میرے دین میں یا کسی اور دین میں داخل نہیں

ہوئے، بسھوں نے جعفر بن ابوطالب کو اپنی طرف سے جواب دینے اور تقریر کرنے کے لئے انتخاب کیا، چنانچہ انھوں نے کھڑے ہوئے اس طرح حقائق پرور اور بصیرت افروز تقریر کی۔

اے بادشاہ ہم جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، برائیوں میں مبتلا تھے، ایک دوسرے کی رشتہ داری کو توڑ دیتے تھے، ہمسایہ پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے، تو انا شخص کمزوروں کو کھائے جاتا تھا، غرض کہ ہم ان ہی گمراہیوں اور تاریکیوں میں مبتلا تھے، کہ خدا نے ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے ہمیں میں سے ایک رسول بھیجا، جس کے حسب و نسب، صداقت و دیانت، اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف ہیں، اس نے ہمیں خدا کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف بلایا، بتوں، پتھروں کو پوجنے سے جس کی ہم اور ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے تھے منع کیا، سچائی، نیکی، راستی، امانت، صلہ رحمی، ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک و معاملہ کرنے کا حکم دیا، قتل و خونریزی، ظلم و جور، لوٹ مار، شراب نوشی، زنا کاری، پاک دامنوں پر بھتان باندھنے، یتیموں کا مال کھانے، جھوٹ بولنے سے منع فرمایا، کفر و بت پرستی سے روکا، وحدانیت، نماز و زکوٰۃ، اور روزہ کا حکم دیا، ہم نے اس کی تصدیق کی، اس پر ایمان لے آئے، اور اس کے احکام کی پیروی کی، اس کی حلال و حرام کردہ چیزوں کو صدق دل سے مانا، ہماری قوم نے ہم پر مظالم ڈھائے، زیادتیاں کیں، ہم کو طرح طرح کے عذاب اور اذیتوں میں مبتلا کیا، ہمارا گلا گھونٹ دیا، اور ہم پر اپنا عرصہ حیات تنگ کر دیا، ہم آپ کے ملک میں پناہ

ڈھونڈنے کے لئے مجبور ہو کر آگئے، ہم امید کرتے ہیں کہ اسے بادشاہ سلامت آپ ہم پر ظلم نہ کریں گے۔

نجاشی نے کہا، تمہارے پاس کوئی اللہ کی اُتری ہوئی نشانی ہے، جعفر نے کہا ہاں، قرآن کی آیات موجود ہیں، اس نے کچھ آیتیں تلاوت کرنے کا حکم دیا، تو جعفر نے کھینچنے کی ابتداء کی آیتیں پڑھیں، نجاشی بے اختیار رونے لگا، اور کہا یہ تو وہی چیز ہے جس کو عیسیٰ بن مریم نے پیش کی تھی۔

یہ وہ تبلیغ و دعوت ہے جس کو اس زمانہ کے اسلامی فرزندوں نے سمجھا تھا، اسی کا اثر ہے کہ ایک قریشی نوجوان بے خوف و خطر بادشاہ سے خطاب کرتا ہے۔

جعفر نے اس جامع تقریر میں، دعوت محمدیہ کی اور آنحضرتؐ کی سوسائٹی کی جتنی جاگتی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آجاتی ہے جس طرح آپ کی دعوت نے سوسائٹی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا، اسی طرح افراد کی زندگی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا جس کو نہ عرب جانتے تھے اور نہ جس سے عجمی لوگ واقف تھے۔

یہ جدید انقلاب، یہی رسالت محمدیہ اور اس کا نیمرخیز اثر ہے کہ جس نے عرب اور دوسری قوموں کی حالت کے نقشہ کو بدل کے رکھ دیا، جس کے اثرات و علامات، ابد الابد تک صفحہ ہستی پر نمایاں طور پر نظر آتے رہیں گے۔

مشہور و معروف مصنف "جیل" کے قول کے مطابق اس

دعوت نے افراد میں اپنی روح پھونک کر، ان کو ایک متحدہ قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا، اور ان کے دلوں میں عظمت و خلوص کا جذبہ بھر دیا، اتحاد و اتفاق سے عرب کی قوم بنا آئی تھی، اگر یہ چیز ان کے اندر پائی بھی جاتی تھی تو ایک قبیلہ اور خاندان تک ہی محدود تھی، فخر و غرور، جاہ و مال، حسب و نسب پر ناز کرنا، ان کی زندگی کے لوازمات میں داخل ہو گئے تھے، جب دعوت محمدیہ نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تو ایک وحدت عربیہ قائم ہو گئی، فقیروں، مالداروں، تو اناؤں، کمزوروں میں مساوات قرار پائی، مالداروں پر غمخواری فرض ہو گئی، جس پر سوسائٹی کی زندگی کا مدار، اور دولت و سلطنت کا قیام و استحکام موقوف ہے۔

اصول اسلام اور قوانین و نواامیس شرائع نے افراد کی زندگی میں نمایاں انقلاب برپا کر دیا، اور ایک نظام اجتماعی قائم ہو گیا۔
 علامہ "حصیل" اپنی کتاب تمدن عرب میں دعوت محمدیہ کے تاثرات پر ان شاندار کلمات سے رقمطراز ہے:-

"تمام ادیان کی تبلیغ نے تاریخ میں بہترین اثرات چھوڑے، ہر نبی اور مبلغ نے اپنی قوم، اور اپنے زمانہ میں تہذیب و تمدن میں گہرا اثر چھوڑا ہے، لیکن اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہے کہ تاریخ عالم کے صفحات میں اس دین اسلام کے برابر کوئی دین اس سرعت و تاثیر کے ساتھ نہیں پھیلا، تاریخ سے ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کوئی مصلح یا مبلغ اپنی قوم اور زمانہ کا مالک ہوا ہو، جس طرح سے کہ محمد صلعم کو یہ امتیاز حاصل تھا، آپ نے ایک متحدہ قومیت کی روح پھونکی اور دنیا میں خلافت کا حق دلایا مسلمانوں کے درمیان اجتماعیت، مساوات اور عدالت کا سنگ بنیاد رکھا، اور قوموں

یہ نظم و نسق عزت و اطاعت کی روح بھونکی۔

دعوتِ محمدیہ کے یہ وہ بعض آثار ہیں جنہوں نے افراد و جماعت

کے اندر انقلاب برپا کر دیا، ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ کسی محبت میں مختلف
مباحث پر روشنی ڈالیں گے۔

تَمَّتْ

